URDU

Kitaab

ڈاکٹر مصطفیٰ سے فارس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ حماد کا ایڈمیشن امریکہ میں ہو جاتا ہے۔ اعظم شیرازی اپنا بزنس حماد کے پاس امریکہ منتقل کر دیتے ہیں۔

فارس کے لیے جمیلہ دادی کی جدائی آسان نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اسے پیار سے سمجھاتے ہیں۔

جمیلہ دادی کے جانے کے کچھ عرصے بعد اعظم شیرازی ان کو بتاتے ہیں کہ وہ سب برداشت نہیں کر پا رہا۔ اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس کی کارکردگی متاثر ہو جاتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ شیرازی مینشن اب کبھی نہیں جائے گا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ، آغا علی کے ساتھ اس سے ملنے آتے ہیں۔ اعظم بھی آتے ہیں۔ وہ ان سے ہر تعلق ختم کرنے کا اعلان کرتا ہے لیکن وہ بعد رہتے ہیں۔ وہ اسے جمیلہ دادی کی تحریر دیتے ہیں جس کے مطابق وہ اپنے باپ کی محبت میں مصروف رہتا ہے وہ صرف تین ماہ کی عمر میں ہی پیدا ہوا تھا۔ اعظم شیرازی جب بھی آتے اس سے ملاقات کی کوشش کرتے ہیں، وہ انکار کر دیتا ہے۔

وہ بڑا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اپنی نواسی کے ساتھ اسے لے آتے ہیں۔ ان کی نواسی ساتھ ہوتی ہے جو ہر بات پر سوال کرتی رہتی ہے۔ وہ فارس سے دوستی کر لیتی ہے۔ وہ دوستوں کے ساتھ اس سے ملتا ہے۔

جنت کے جانے کے بعد وہ اس کی کمی محسوس کرتا ہے۔

جنت ہوسٹل میں آئی تو حماد وہاں اس کا منتظر تھا۔ حماد اسے اپنے گھر لے آتے ہیں۔ اس کے یہ محسوس ہونے کی وجہ سے خوش ہوتی ہیں۔ جنت حیران و پریشان ہو جاتی ہے۔ سارا خاندان گھر پر جمع ہو کر جنت اور اس کے گھر والوں کو کوستے ہیں۔ اور سب نوکری کی خبر دیتا ہے۔ فارس جنت کے حوالے سے پریشان ہو کے سب کچھ ترک کرتا ہے۔

فارس امی سے پوچھ گچھ کرتا ہے۔ حماد فارس سے میسج کر کے کہتی ہیں۔ جنت حماد کو ساتھ لیے بچوں کے ساتھ باہر گھومنے جاتی ہے۔ فارس بھی اسے ملنے حماد کے گھر جا پہنچتا ہے۔

نویں قسط

موبائل پر فارس کا میسج موصول ہوا تھا۔ جنت اپنی ماما کے پاس گئی۔ وہ اسے واپس لا رہا تھا۔

میسج پڑھتے ہی سارا وجود جیسے نہال ہو گیا تھا۔ یہ بے ساختہ جذبے میں کر رہی تھیں۔ یہ جنت کے گھر تھا۔ چھٹے کے لیے، سننے کے لیے، اور جاننے کے لیے تھا۔ وہ اپنا احتساب کر رہی تھیں۔ ایک جنم پہلی کے لیے ان سے بھول ہوئی تھی۔

انہیں وہ وقت اچھی طرح سے یاد تھا جب بیماری کے دنوں میں ان کے والد نے انہیں فون کر کے اپنے گھر بلایا تھا۔ اپنے پاس بٹھا کر انہوں نے جنت کمال کے متعلق وصیت کرتے ہوئے اپنے گھر والے مکان کے کاغذات کے ساتھ ساتھ ایک بند لفافہ ان کے ہاتھوں میں پکڑا دیا تھا۔

"اگر کبھی خاندان میں جنت کی زندگی تنگ ہو جائے تو اسے کھول لینا۔"

وہ لفافہ اگلے پانچ سالوں تک ان کی الماری میں محفوظ اور بند پڑا رہا تھا۔

اس لفافے کو کھولنے کا خیال انہیں پورے پانچ سال بعد اس وقت آیا تھا جب یحییٰ اسے طلاق دے چکا تھا اور نوبت یہاں تک آ پہنچی تھی۔ بڑے پاپا نے جنت پر تسلط جمایا تھا۔ وہ اس کا رشتہ صفدر کے ساتھ طے کر رہے تھے۔ وہ جنت کے معاملے میں خود کو قصور وار بھی تصور کرتی تھیں۔ سو انہیں ایک یہی حل نظر آیا تھا۔

بند لفافے میں ایک کاغذ تھا جس پر جمیلہ دادو، شیرازی کا نام اور شیرازی مینشن کا ایڈریس لکھا تھا۔ نیچے شیرازی انڈسٹریز کا فون نمبر بھی تھا۔

شیرازی گروپ کا ایک مخصوص بزنس کارڈ، جو عموماً قریبی ساتھیوں کو عطا کیا جاتا ہے۔ اور چند وزٹنگ کارڈ تھے۔ ان میں ایک وزٹنگ کارڈ حماد شیرازی کی سالگرہ کا تھا۔

اگلے کئی لمحوں تک وہ انہیں ہاتھ میں لیے بیٹھی

ہو گئی تھیں۔ شیرازی خاندان کے ساتھ ڈاکٹر مصطفیٰ کے تعلقات کتنے دیرینہ اور گہرے تھے اس کا اندازہ ان کا رویے سے بخوبی ہو رہا تھا۔ چونکہ شیرازی خاندان ایک مشہور خاندان تھا سو ان کے بارے میں، کئی خبریں، کئی قصے اور کئی باتیں ان کے ذہن میں گھوم گئی تھیں۔

لفافے میں ایک چھوٹا سا کاغذ تھا جس میں جمیلہ کے نام ایک تحریر لکھی تھی۔

"میری نواسی جنت کمال اب آپ کی امانت ہے۔"

مختصر سی عبارت۔ مزید کوئی حوالہ۔ کسی طرح کا کوئی اشارہ نہ تھا۔

پہلے پہل تو وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائیں مگر پھر شام تک انہوں نے اپنے بیٹے کی مدد سے جمیلہ بی بی سے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔

جمیلہ بی بی آج کل اسلام آباد میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔ اتفاق سے وہ بھی اگلے دن وہ ملاقات کے لیے اسلام آباد ان سے ملنے چلی گئی تھیں۔

وجدان ہاؤس کے گیٹ پر سخت سیکیورٹی تھی۔ بغیر کسی تعارف یا جان پہچان کے انہیں اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی تھی۔

"آپ مسز شیرازی سے کہہ دیں، ڈاکٹر مصطفیٰ کی بیٹی ان سے ملنے آئی ہے۔"

انہوں نے وہ لفافہ بھی اندر بھجوا دیا جس میں کچھ کاغذات اور وہ لفافہ تھا۔ کچھ ہی دیر بعد گیٹ کھول دیا گیا۔ ایک باوردی ملازم انہیں اندر لے گیا۔

شاندار گھر کے اندرونی احاطے سے ہوتے ہوئے لاؤنج سے وہ پرتعیش ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔

سامنے ہی ایک سوبر سی خوبصورت خاتون وہیل چیئر پر آنکھوں کے سامنے بیٹھی تھیں۔ کاغذ ہاتھ میں لیے۔ کچھ حیرت۔ کچھ کرب اور کچھ صدمے سے انہیں دیکھتے ہوئے۔

"ڈاکٹر مصطفیٰ۔"

انہیں یوں لگا جیسا یہ نام ان خاتون کے اندر ایک زندگی سی دوڑا گیا ہو۔

رسمی تعارف کے بعد انہوں نے جنت کمال کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ بچی جسے ڈاکٹر مصطفیٰ نے پالا تھا۔ وہ طلاق اور ماں کی وفات کے بعد سخت ترین حالات سے گزر رہی تھی۔ ان کے لہجے اور انداز سے بے بسی جھلک رہی تھی۔ شاید وہ جنت کے لیے کچھ بھی کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہوں۔ وہ ان کے پاس صرف اس لیے آئی تھیں کیونکہ خط میں ان کا نام لکھا تھا۔

جمیلہ بی بی شیرازی نے ساری بات بہت خاموشی اور توجہ سے سنی تھی۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہی تھیں۔ پھر جیسے انہوں نے بغیر کسی تردد کے جنت کمال کا رشتہ مانگ لیا۔

سائرہ بی بی تو بالکل خاموش اور ساکت سی رہ گئیں۔ وہ اس لیے یہاں نہیں آئی تھیں۔ یہ سوچ کر تو ہرگز نہیں آئی تھیں۔ اور جس نوجوان کے لیے وہ خاتون رشتہ مانگ رہی تھیں وہ نوجوان تھا۔ جن کا دماغ نواب اور کئی دیر تک وہ کچھ کہہ نہ سکیں۔

ایک طرف دماغ تھا تو دوسری طرف۔ انہوں نے سر اٹھا کر جمیلہ بی بی کو دیکھا۔ جمیلہ بی بی کوئی معمولی خاتون نہ تھیں۔ نہ ہی شیرازی خاندان کوئی عام سا خاندان تھا اور جس کے لیے وہ رشتہ مانگ رہی تھیں وہ مشہور بزنس ٹائیکون اعظم شیرازی کا پوتا فارس وجدان تھا۔

کئی ہی دیر تک وہ سوچ میں غرق گم صم بیٹھی رہیں۔

بہت سی باتیں تھیں۔ سوالات تھے۔ خدشے تھے مگر جنت کی بہتری۔ مگر انہیں ان کے اندر نے دکھایا تھا سو دل چاہتے ہوئے بھی وہ اس رشتے پر غور کرنے لگی تھیں۔

فارس وجدان کا پرپوزل قبول کرتے وقت انہیں لگا تھا، وہ ٹھیک کر رہی ہیں۔ ان کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ ارادوں میں کوئی جھول نہیں۔

فیصلوں میں کوئی مطلب۔ کوئی غرض نہیں۔ جس فرق
تھا۔ ہر چیز میں فرق تھا۔ ایسا رشتہ سود و زیاں کے بے آ
تو پھر وہ انکار کر دیتیں۔ جس انسان کی ذات
شبہات کے دائرے میں گھومتی ہو وہ اس کا انتخاب
وہ اپنی بچی کے لیے ہرگز نہ کرتیں۔ عام انسان کے
مقابلے میں انہیں وہ مناسب لگا تھا۔ انہوں نے ہر
خیال پس پشت ڈال دیا تھا۔ ہر منفی سوچ کی تردید کر
دی گی۔

انہوں نے "رسک" لے لیا تھا۔ وہ اسے اپنی
اولاد کی بھی بھول گئی تھیں۔ اولاد کے معاملے
میں "رسک" نہیں لیے جاتے۔

انہوں نے بیٹی اولاد کو جنت کے بارے میں
زیادہ آگاہ نہیں کیا تھا۔ وہ اس کا ماضی۔ اس کی طلاق
کی وجہ تک بھی گول کر گئی تھیں۔

سب ہی معاملات طے کر کے وہ لوگ واپس
آ گئے۔ وہ ان عدم نکاح اور رخصتی سر انجام پا گئی اور
جنت کمال اس گھر سے وہ حویلی جو ان کے رشتوں
کے تسلط سے آزاد ہو کر اسلام آباد چلی گئی۔

بظاہر سب ٹھیک تھا مگر دل میں لگے اس
رشتے کو لے کر وہ کبھی کبھار فکر مند ضرور ہو جاتی
تھیں۔

نماز کے سوالات۔ اس کا منفی انداز وجدان
ضمیر اس سے متعلق اٹھنے والی افواہیں۔ سب کچھ
ہو سکتے ہے۔

مگر وہ جیسے تیسے خود کو مطمئن کر لیتیں۔ اپنے
ضمیر کے ساتھ ساتھ ہو جاتیں۔ بیٹی کا ہاتھ تھام
لیتیں۔ اور چپ ہو جاتیں۔ اگر جنت کے گھر
چھوڑ دینے کی خبر نہ ملتی۔

اس ایک لمحے میں انہیں احساس ہوا تھا کہ
آگ سے بچانے کے لیے انہوں نے اسے گہرے
سمندر میں دھکیل دیا ہے۔ اگر کوئی انسان پر اپنی
ذات کے حوالے سے بہت سی حقیقتیں آشکار کر گیا
تھا۔

ان کے والد نے ایک راستہ دکھایا تھا۔ وہ
آخری راستہ تھا۔ آخری آپشن۔ آخری چانس۔ آخری
راہ۔ جب خاندان میں کچھ نہ رہے۔ کچھ نہ رہے۔
کوئی جگہ، کوئی مقام، کوئی آسانی، کوئی رشتہ، کوئی
احساس نہ رہے۔

اور وہ خود کو مجبور کی سے چارہ اور الگ کھی
رہیں۔ خلوص اور احساس کر دیتی۔ وہیں مگر اب ان کو
ادراک ہوا تھا کہ وہ بھی اسی خاندان کا حصہ تھیں جس
نے جنت کمال کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ انہوں
نے بھی اپنا فائدہ دیکھا۔ اپنی مصلحت۔ اپنی آسانی دیکھی
تھی۔ انہوں نے بھی جنت کمال سے پیچھا چھڑایا ہوا
تھا۔

وہ الگ تھلگ رہ کر وہ بھی کھانا نہیں چاہتی تھیں۔
وہ آخری آپشن صرف ایک آپشن ہی رہنا چاہیے تھا۔
وہ کبھی نادان نہیں۔ اپنے والد کی بہت ان کی
وصیت، ان کا احسان، ان کی خواہش، ان کا امتحان
کبھی نہ ہو گی۔

انہوں نے خود کو جنت کے معاملے میں "بے
بس" سمجھا تھا۔ مگر وہ بے بس نہیں تھیں۔ خاندان بھر
کی مخالفت تو انہوں نے ویسے بھی مول لے لی تھی۔
پھر اس کا انتخاب وہ اپنے کسی بیٹے کے لیے کیوں
نہیں کر سکی تھیں؟ اگر وہ آگئی میں رحم دلی اور احساس
تھی تو جنت کمال کی جگہ ان کے اپنے گھر میں ان
کی اپنی اولاد کی زندگی میں کیوں نہیں بن پائی؟ وہ
اپنے کسی بھی بیٹے سے اس کا نکاح کر سکتی تھیں۔
لاوارث تو نہیں تھا۔

مگر جنت کمال۔ ایک طلاق یافتہ، اجڑی ہوئی لڑکی
انہیں اپنی اولاد کے لیے کیسے قبول ہو سکتی تھی؟

یہ ایک سچ کڑوا بھی۔ سانپ تھی۔ وہ وہ کو
گرفت میں لے کر ایک سچ ایک بے چہرہ چال۔

پورے سات دن انہوں نے جنت کی
گمشدگی سنتے۔ اس کی واپسی کی دعا کرتے گزار
دیے تھے۔ اور اب جب وہ مل گئی تو وہ اس کا
سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھیں۔

شاید یہ ضمیر ہی تھا جو ذات کے آئینوں کو

شفاف کرتا جا رہا تھا۔ وصیت پر پڑی ہوئی خوبصورتی کی دھول مٹی کو پہلے دل سے اڑا دیا ہوا تھا۔

جنت کو لگا ان کے والد کی امانت تھی۔ وہ انہیں لگا، وہ اس امانت کا پاس نہیں رکھ پائی تھی۔ وصیت پر عمل نہیں ہوا ہے۔ اور پیارا ہے لیکن یہ احساس ندامت عمر بھر ان کے ساتھ رہنے والا تھا۔

☆☆☆

کھڑکیوں پر دبیز گلابی پردے گرے ہوئے تھے۔ کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک تھی۔ ہلکی ہی روشنی کا مدھم سا منظر کمرے کی ہر ایک شے کو نمایاں کر رہا تھا۔ تکیے پر بکھرے بال، شانے پر چادر کھینچے جیسے ہی وہ جھکی، بچپن کی یادوں کے بل اٹھ بیٹھی۔ ریشمی سیاہ گھنگھریالے بال پونی سے نکل کر چہرے کے اطراف میں اور کندھے پر ڈھیلے ہو گئے تھے۔ تکیے کے سہارے بیٹھ کر ان سے ٹیک لگاتے اس نے بازو پھیلا کر انگڑائی لی۔

ساری تھکان اتر چکی تھی۔ نیند مکمل۔ ذہن بالکل صاف اور پرسکون تھا۔ اور تب تک پرسکون ہی رہا تھا جب تک اسے اردگرد میں کسی کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دیتی وہ اپنی جگہ سن ہو گئی۔

صبح کے نو بجے جب وہ گھر پہنچے تھے تو وہ صرف چار دن کی ہی کمی کرنے الگ کرتی جا رہی ہے۔ اور قاری نے یہ کہہ کر بیڈروم چھوڑ دیا تھا کہ وہ کمرہ سمجھ جائے گی۔ اسے کیا پتا تھا "کہیں اور" اصل میں وہی بیڈروم ہے جو اس کے حوالے کیا جا رہا ہے۔

وہ تو اس بات پر بھی حیران ہوئی تھی کہ قاری نے اتنی آسانی سے اپنا کمرہ اسے کیوں دے دیا ہے۔ حقیقتاً تو اب کھلا تھا۔ اسے رخصت کرنے سے پہلے بار آ سکتا ہے؟ مگر اس کا۔ کمرہ اس کا۔ دروازہ اس کے۔ کھڑکی اس کی۔

جنت کی آنکھوں میں خوابیدگی اور چہرے پر حیرت در آئی۔ چند لمحوں تک بازو کی اوٹ سے جھانکتی اس کی بند آنکھوں کو دیکھتی رہی۔ پھر سر اٹھا کر مدھم سی روشنی میں اطراف کا جائزہ لیا۔

کمرے کی سیٹنگ ویسی ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ صرف بیڈ کا صوفہ غائب تھا جو سامنے دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اس کی جگہ ایک سنگل شاہی صوفے نے اور ایک کافی ٹیبل رکھی گئی۔

ڈریسنگ ٹیبل پر اس کی کنگھی، برش، پرفیوم رکھے تھے۔ وہ حیران ہوئی۔ پرفیوم، جیولری اور پاؤڈر بھی۔ سرمئی رنگ کا ڈریسنگ گاؤن باتھ روب کے ساتھ موجود تھا۔

کسی خیال کے تحت وہ بیڈ سے اتر کر وارڈ روب کی جانب بڑھ گئی۔ سلائیڈ کر کے پٹ کھولے۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کی گرفت میں لیا، پھر احتیاط سے دیوار گیر کھڑکی کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔ پھر وہ ذرا سا سرکی تاکہ اس نے ... ہوا، روشنی کی لکیر ... پڑ رہی تھی۔ سوچا ہوا وجود ذرا سا کسمسایا۔ کہ روشنی سیدھا بند آنکھوں پر پڑ رہی تھی۔

وہ بے زاری سے اپنی چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

فلا، وارڈ روب، گھڑی، چاندی کی زنجیر، سلائیڈ، کیمرہ، ٹیشوز تھے اور ... ہر ایک شے سلیقے اور حفاظت سے موجود تھی۔

اس نے اپنے ... کی تصویر باہر نکالی۔ نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ انہیں چھوا۔ پھر سینے سے لگایا۔ کچھ دیر تک وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ پھر ... کر کے واپس الماری میں رکھنے کے بعد مڑی اور اپنی جگہ لے لی۔

بیڈ پر پشت کے بل آڑا ترچھا لیٹا قاری ذرا سا سر اٹھائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں ابھی بھی نیند سے بوجھل اور وہ بار بار ہوش میں آنے کی کوشش سے اتر رہا تھا۔ وہ جنت کا چہرہ دیکھ رہا تھا وہ شدید غصے میں لگ رہی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا، مجھے روم شیئر نہیں کرنا۔"

"گیسٹ روم کا اے سی ٹھیک سے کولنگ نہیں کر رہا تھا۔" پانچ چھ گھنٹوں تک مسلسل گاڑی ڈرائیو کرنے والے کی آواز اور حال تھکاوٹ سے چور اور نڈھال تھی۔

"کیا تم چاہتے ہو، میں اس بات پر یقین کر لوں؟" وہ اس کی اسٹیٹمنٹ پر بھی خاصی چپ گئی۔

"نہیں۔" فارس نے اپنا سر واپس تکیے میں گاڑ لیا۔

نہیں؟ جنت کا منہ کھلا۔ پھر آنکھیں پھیلیں۔ پھر وہ بچی سی تن فن کرتی پاس آئی۔ تکیے سے کھینچ ہٹانا چاہا۔ پھر اس کا بازو ہلایا۔ مگر کہاں ہے جو اس کی نیند میں ذرا سا بھی خلل پڑا ہو۔

"ایسے بے ہوشی کی نیند بھلا کون سوتا ہے؟" اس کا پارہ مزید چڑھ گیا۔ مگر ضبط کر کے واش روم میں گھس گئی۔ آئینہ سامنے تھا۔ اس نے خود کو دیکھا۔ رنگت زرد، صحت کمزور سی اور آنکھوں کے گرد حلقے کافی گہرے لگ رہے تھے۔ عرصہ ہوا، اس نے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ کہ دیکھنے پر عجیب سی تکلیف کا احساس ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب جب خود کو دیکھا تو اور اک ہول سا اٹھا۔ وہ اپنا خیال واقعی میں نہیں رکھ رہی تھی۔ وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ وہ زندگی سے بھٹک گئی تھی۔ اپنے آپ سے بے پروا ہو گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ فریش ہو کر باہر آگئی۔

ایک کڑی نگاہ سوتے ہوئے وجود پر ڈالی۔ خود ہی اپنی ہمت بڑھائی، مضبوطی پکڑی۔ ارادے باندھے۔

کم از کم وہ بالکل شیئر نہیں کرے گی۔ بالکل بھی نہیں۔ اب فارس وجدان کی مرضی نہیں چلے گی۔ نہ تو وہ اس کی دھمکیوں کا اثر لے گی اور نہ ہی اس کے رعب میں آئے گی۔

اس نے سوچا، وہ مسز شیرازی کے کمرے میں شفٹ ہو جائے گی۔ ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ فارس سے کیا امید گیسٹ روم کا اے سی خراب کر دے۔ وہ منصوبے بناتی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اور اطراف کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی۔

اطراف [illegible] میں بکھری ہوئی خاموش زندگی۔ سفید ماربل سے جھلکتا [illegible] کی روشنیوں کا عکس۔ سجے ہوئے گملوں پر [illegible] کے پھول نظر آ رہے تھے۔ باہر کا پرفسوں منظر۔ سوئمنگ پول کا ساکت پانی۔ اور آسمان کا نیلا رنگ۔

"مسز شیرازی کہاں ہیں؟"

"وہ اپنے اسٹوڈیو میں ہیں۔" ملازمہ اس کے سامنے مؤدب سی کھڑی ہوئی تھی۔ "میم! آپ ناشتہ کر لیجیے۔"

ایک ہاتھ سے ڈائننگ ہال کا راستہ دکھاتے اس نے بہت ادب سے سر جھکا لیا تھا۔

اس کی نگاہیں راہداری کے اختتام پر اسٹوڈیو کے بند دروازے تک گئیں۔ پھر کچھ سوچ کر وہ ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گئی۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کچھ وقت مسز شیرازی کے ساتھ ان کے اسٹوڈیو میں گزارا۔ گزشتہ سالوں میں ان کی کچھ حکایتیں تھیں، اداسیاں تھیں، کچھ احساسات تھے جو دونوں نے ایک دوسرے سے شیئر کیے۔

"تمہارے چلے جانے سے یہ گھر بہت خاموش، بہت ویران ہو گیا تھا۔" وہ کہہ رہی تھیں۔ "ڈائننگ ٹیبل پر کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ چائے پر کوئی ساتھی نہیں ہوتا تھا۔ اسٹوڈیو تو میں آتی ہی نہیں تھی۔"

وہ اندر ہی اندر بہت پشیمان اور شرمندہ ہوئی۔

"آئم سوری۔" ایک بار پھر معذرت کی۔

"بہت عجیب سے خیال آتے تھے۔ پریشانی ہوتی تھی۔ مجھے تو یاد رہتا کہیں تمہیں کسی نے اغوا نہ کر لیا ہو۔" انہوں نے رک کر ایک گہرا سانس لیا۔ جنت کا سر مزید جھک گیا۔

"وعدہ کرو مجھ سے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی تو اس نے سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اس طرح دوبارہ کبھی نہیں کرو

کی۔ کوئی بھی مت ہو، پریشان ہو، پہلے فوراً ذہن کرو سمجھانے کی۔ تمہیں سمجھ آ جائے گی، دیر سے ہی سہی۔ لیکن اس طرح خاموشی سے مت چھوڑو، یہ ٹھیک نہیں۔"

اس نے اس کو بات میں بحث نہ دی۔ وہاں افراد کسی بھی بیٹے کا حل نہیں۔

"آنٹی... مجھے بتائیں۔" اس کا خوف۔

اس کی طرح اس کی پریشانی بھی ویسی ہی تھی۔

"کچھ دیر کے بعد جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔ فی الحال کچھ مت سوچو۔" گل نے ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔ "اپنی صحت کا خیال رکھو، بہت کمزور ہو گئی ہو۔"

سامنے ہی کینوس پر ایک پینٹنگ ادھوری تھی۔ پھولوں کی چند پنکھڑیاں رنگین تھیں جو بے رنگ سی تھیں۔ اسے کتنے دنوں تک انہوں نے رنگوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اسے دکھ ہوا۔ اٹھ کر کینوس اسٹینڈ ان کے سامنے رکھا۔ قلم، پیلیٹ، اور ڈھیر سارے برش بکھیرے پر رکھ دیے۔

"یہ بھی تو مکمل ہی ہے، ابھی بھی رنگ رہتی ہے۔"

اس نے کہا۔ وہ مسکرا دیں۔

"تم نے تو اس پینٹنگ نے ہم سے ایک وعدہ مکمل ہونا ہے۔"

اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری... وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"جس طرح ہم اپنے اختیار میں آئی ہوئی چیزوں کے لیے وقت مقرر کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جس کے اختیار میں ہم ہیں، وہ اوقات سے کرتا ہے۔ ہمیں صرف ان پر عمل درآمد کرنا ہوتا ہے۔"

وہ پھر پیلیٹ پر رنگ بچھانے لگیں۔

"میں نے تمہارا ریسرچ ورک پڑھا تھا۔ تم نے کافی محنت کرکے بہت اچھی طرح سے آیات کو سمجھا۔"

جنت کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔

"اپنے لیے امید ڈھونڈو۔ اپنے لیے یقین ڈھونڈو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی حکمت۔ اس کے اور وہ اس پر بھروسہ سا کیا۔"

آنسو پلکوں میں توڑ کر ڈالے اس کے گالوں پر پھسلے۔ دل غم سے اور درد سے بھر گیا۔ مسز شیرازی کی نظر اس پر پڑی تو پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟ تم ٹھیک ہو؟"

وہ ان کے پاس آئی۔ ان کے سامنے پلنگ کے پاس بیٹھ گئی۔ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے بکھرا دی تک نہیں رہی۔

"میں پانچ سال تک بے اولاد رہی۔ میں نے پانچ سالوں تک اس بات پر یقین رکھا کہ میں ماں بنوں گی ہوں۔ پانچ سالوں تک میں نے..." اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ "سب کیا پایا؟" مسز شیرازی اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گئیں۔

"میں ساری زندگی حالات کو برداشت کرتی رہی۔ عذاب۔ ورد، دعا۔ مجھے لگتا تھا میرے ساتھ کبھی اچھا نہیں ہوگا۔ کبھی خوشی نہیں ملے گی۔ میں دعا میں چھوڑ چکی تھی۔ میں نے یقین کو ختم کر دیا تھا۔ مگر آپ نے۔ آپ نے مجھے یہ سب دوبارہ سکھایا۔ یقین، حسن ظن، اور دعا۔ اور پھر اللہ نے میری سن لی۔ اللہ نے آپ کو سبب بنایا۔ تاکہ میں... میں اس اذیت سے نکل سکوں۔" بہت عرصے تک رونے والی آنکھیں ایک بار پھر نم ہو رہی تھیں۔ خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیت نے دل بھر سے دو چار تھا۔

"میری طرف دیکھو۔" انہوں نے پھر پیلیٹ رکھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"اندر ہی اندر جب ہم ٹوٹ کر بکھرتے ہیں تو سب سے پہلا خیال ہمیں "اللہ" کا ہی آتا ہے۔ مگر ہمیں یہ سمجھ ہی نہیں آ رہا ہوتا کہ اب خود کو سمیٹ کر جوڑنا کیسے ہے اور زندگی کا سفر نئے سرے سے شروع کیسے کرنا ہے۔ اس صورت میں قرآن کی آیات ہمیں زندگی سے جڑے رہنا اور سنبھلنا سکھاتی ہیں۔ یہ ہمارے اندر مثبت سوچ پیدا کرتی ہیں۔ کسی مایوسی کی چوٹ پر، امید کا کون سا مرہم رکھنا ہے اور کیسے رکھنا ہے، یہ قرآن ہمیں بتاتا ہے۔" انہوں نے اس کے آنسو پونچھے۔

"ہم سب انسان ہیں۔ ہم سب ڈرتے ہیں۔
ہم سب بکھرتے ہیں۔ مگر ہم میں سے کامیاب وہ
ہے جس نے خود کو سمیٹ کر سنبھالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
کامل عزم اور یقین کے ساتھ۔"

وہ انہیں بہت پیاری لگی۔ وہ انہیں سن رہی تھی۔ وہ
انہیں سمجھ رہی تھی۔

"لوگ یہ بات نہیں سمجھتے۔ یا شاید سمجھنا نہیں
چاہتے۔ لیکن ایک ہماری پلاننگ ہوتی ہے۔ اور ایک
اللہ کی ہوتی ہے۔ ایک راستہ ہم اپنے لیے چاہتے
ہیں۔ اور ایک راستہ اللہ ہمارے لیے چنتا ہے۔
ہمارے لیے کہاں کی خیر، اور کتنا شر ہے۔ اللہ ہی بہتر
فیصلہ کرتا ہے۔ تاکہ وہ ہمیں بڑی تکلیف سے بچا
سکے۔ اور ہمیں ہمارے صبر کے بدلے کچھ بہترین
عطا کر سکے۔"

یک لخت ان کا موبائل بجنے لگا۔ اپنے آنسو
صاف کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سائڈ ٹیبل
سے موبائل اٹھا کر انہیں دیا، جب تک وہ بات کرتی
رہیں، وہ اسٹوڈیو میں یہاں وہاں چیزیں دیکھتی
رہی۔

فارس کا باکس الماری کے اوپری خانے میں
موجود نہیں تھا۔ وہ غور کرتے ہوئے لے جائے، پھر
کچھ یاد آ جانے پر مسز شیرازی کی طرف مڑی۔

"وہ آنٹی۔۔۔"

وہ بات ختم کر چکی تھیں۔ موبائل رکھ کر متوجہ
ہوگئیں۔ "کیا ہوا؟"

"آپ لوگوں کو کیسے پتا چلا کہ۔۔۔ میں یہاں کے
پاس ہوں؟" یہ سوال وہ فارس سے نہیں پوچھنا چاہتی
تھی۔

"اقصیٰ نے بتایا تھا میرے خیال سے۔ تم یہاں
کے بیٹے کے گھر کی تھیں شاید۔"

"اقصیٰ!" جنت کا منہ کھلا۔ شاک کی سی
کیفیت ہوگئی۔ پھر کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتے
ہوئے وہ ان سے معذرت چاہتی باہر آگئی۔ سماعت
پر یقین نہیں آیا تھا کہ اقصیٰ اس طرح کوئی بات فارس
کو بتا سکتی ہے۔ اس کے سامنے تو کئی وعدے کیے
تھے اس نے۔ قسمیں کھائی تھیں۔

تن فن کرتی وہ اقصیٰ کے سر پر پہنچ گئی۔

"میں نے کہا تھا پھر اپنی زبان کہاں ساتھ قبر
تک جانا چاہیے؟"

اقصیٰ روہانسی ہوگئی۔ اب وہ اسے کیسے سمجھاتی
کہ اتنی بڑی عمر میں وہ قبر تک نہیں اترنا چاہتی تھی۔

"تم سے ایک چھوٹی سی بات نہیں چھپائی گئی
تھی؟"

"جنت آپی پلیز معاف کر دیں۔" اس نے
باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔ "آئندہ کبھی بھی نہیں بتاؤں
گی۔ کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔ مجھے سے فارس
صاحب مجھے پھانسی پر چڑھا دیں۔ بالکل بھی زبان
نہیں کھولوں گی۔"

"تم نے میرا دل، میرا مان، میرا بھروسا توڑا
ہے اقصیٰ۔" جنت صدمے سے ادھ موئی ہوئی۔ اقصیٰ
کو رونا آیا۔

"آپی انہیں پتا تھا پہلے سے۔ وہ جانتے تھے
آپ وہاں گئی تھیں۔ مجھ سے تو بس وہ کنفرم کرنے کے
لیے کہہ رہے تھے۔" وہ صفائیاں دینے لگی۔ جنت کا
غصہ کسی صورت کم نہ ہوا۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ بالکل بھی امید
نہیں تھی۔" کہتی ہوئی وہ چلی گئی۔

"آپی۔۔۔"

"اور کیا بتایا تم نے اپنے فارس صاحب کو؟"
ڈانٹ کر پوچھا۔

"بس وہ ایک ذرا سی بات بتائی تھی۔" اس
نے ڈر کر اعتراف کیا۔

جنت کا دل زور سے دھڑکا۔ اور کون سا راز
فاش ہو گیا تھا اس کا؟

"کیا بتایا؟" تنگ ہونٹوں کو بھینچ کر کے پوچھا۔

"یہی کہ جب ہم پارک گئے تھے تو آپ روتی
رہیں اور آپ نے کہا، بھاڑ میں جائے یہ فارس
وجدان۔"

جنت بغیر چھوئے پیچھے ہٹ گئی۔ کسی بت سا کھڑی
تھی۔ جس انداز میں کھڑی تھی، کھڑی رہ گئی۔ دماغ
نے سمجھایا، ایڈجسٹ کر لی گئی ہو۔ دل میں سکون
در آیا [illegible] لیکن ابھی ادھوری ہے۔ مزید الجھا ہوا
[illegible] تو ابھی [illegible] ہونے [illegible] الجھن
اقصیٰ کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"اور جب ہم ملے تھے تو آپ نے اس
کے لیے گفٹ لیا تھا اور نیلے رنگ کے ڈبے
جس پر دل والا کارڈ بھی ہوا تھا۔ اور اس پر آپ
نے لکھوایا تھا۔

Love You my dearest

Faris Wajda

جنت بھونچکی سی اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یہ کب ہوا
تھا؟ کیسے ہوا تھا؟ اس نے کب لکھوایا یہ جملہ؟ کب
کارڈ اٹھایا تھا؟ کب گفٹ لیا تھا؟ وہ ہکا بکا کھڑی رہ
گئی۔

"وہ اس دن، شام میں ملنے گئے تھے ہم۔"
اقصیٰ نے ٹھہر ٹھہر کر بتایا۔ "جب آپ نے وہ پیاز
رنگ کا سوٹ پہنا تھا اور آپ کے جوتے کا اسٹریپ
ٹوٹ گیا تھا؟"

وہاں پر [illegible] ہوا اور جنت کا دل چاہا
زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ لیکن زمین میں
سمانے سے پہلے اقصیٰ کا گلا دبانا ضروری تھا۔

"آپی، معاف کر دیں۔" اسے اپنی طرف
[illegible] دیکھ کر وہ [illegible] کی کیاری پہ [illegible]
[illegible]
[illegible] میں [illegible] پھر [illegible] کہاں
جانے [illegible] کی کوشش کی اور تب
ہی [illegible] کے [illegible] جہاں جنت کھڑی
اقصیٰ کے [illegible] آواز تو نہیں آ رہی تھی مگر
اندازہ ہو رہا تھا کہ رو رہی ہے۔

"اقصیٰ تم [illegible] میرے اللہ کیا کروں اب
میں تمہارا؟" وہ [illegible] اپنا [illegible] چلائی۔
"وہ کیا نہیں لکھوایا تھا؟" اس نے [illegible] بولی۔

آواز میں دہائی دی۔

"وہ فارس کے لیے نہیں تھا۔" اسے رونا آ رہا
تھا۔ "میں نے زید کے لیے کارڈ ہوایا تھا۔ تم نے
دیکھا تھا فارس کا نام لکھا ہوا تھا اس پر؟"

[illegible] میں [illegible] ہوئے اقصیٰ نے انگلیاں
منہ میں داب لیں۔ "لیکن [illegible] وہ [illegible] میں بھی
کہ [illegible] آپ نے ان کے لیے۔"

"تمہارے فارس صاحب ریموٹ کنٹرول کار
سے کھیلتے ہیں؟" وہ چلائی۔

"مجھے کیا، وہ دیکھ لیں تو [illegible] ان کی [illegible]
کے لیے۔" اقصیٰ کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

"تم خود سے کیا کیا منصوبے گھڑتی رہتی ہو
اقصیٰ؟" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اب وہ کیا کہتا ہوا
ہوتا [illegible] ان کی بات میں مری جا رہی تھی؟ کارڈ
لکھوائی [illegible]

"آپی!" مسکین سی صورت بنا کر اقصیٰ نے
کان پکڑے۔ "آئندہ نہیں بتاؤں گی۔"

"آئندہ تو میں تمہیں کچھ بتاؤں گی بھی نہیں۔
تم فارس کی جاسوس، صرف اس کے ساتھ ہی [illegible]
ہو۔"

وہ پیچھے پلٹ گئی۔ اقصیٰ نے آنکھیں پھاڑ
کر اسے دیکھا۔ تب [illegible] فارس کی جاسوسا
[illegible] دروازہ [illegible] فوراً سے اس کے پیچھے
بھاگی۔

"آپی معاف کر دیں۔ پلیز؟"

صحن دروازے کے پاس رک کر جنت جھٹکے
سے اس کی طرف مڑی۔ ہاتھ اٹھا کر [illegible]
"[illegible] تم"

اقصیٰ کے [illegible] پر ہاتھ [illegible] لگی
[illegible] ہوئی۔ جنت اندر [illegible] گئی۔ مسکین
سی صورت بنائے اقصیٰ وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آئی تو فارس موجود نہیں تھا۔
اٹیچڈ باتھ سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس

نے پورا سا لاؤنج ٹھنڈک کی خوشی سے کرسی پر ہوا میں اچھالا اور
نیچے گری۔ حیرت کو وہ نئی کھلنے پر ہنستے ہوئے ہوا میں آن
کیا۔ مسئلہ کو اس کے کانوں کو کچھ نہیں تھے۔

گیلری بالکل صاف تھی۔ صحن اور سیڑھیوں کی طرف سے وہ اس ایپ پر موصول ہونے والی تصاویر کو چلاتے ہوئے تھے۔ وہ دونوں کی اس حرکت پر لب بھینچ کر رہ گئی۔

یہ تصاویر ان دونوں کے سیمو آنٹی کی طرف سے منتظر تھے۔ سارا بھابی اور سعدیہ کے گھر گئی۔ اس نے سر ہلا کر اپنی واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ پیچھے سے اوپر تک نظر ڈال کر رہ گئی۔

سے گہرا رنگ اور گلابی رات کی سہیلیاں تھیں۔ [illegible]

[illegible]

وہ دونوں اپنی اپنی گاڑی کی طرف [illegible]

[illegible]

"وہ والی کا جنت تم کہاں سے [illegible]"

وہ خفیف سا ہنس دی۔

"فارس بھائی نے بتایا تھا تم اپنے میکے گئی ہوئی ہو۔"

"ہاں وہ بس۔ خالہ کی طرف تھی۔" مسکرا کر

کہا۔ ساتھ ہی کوئی میں بال الجھ گئے۔

"مجھے تو پتا لگ گیا تھا وہ کر گئی ہو۔ اس نے فارس بھائی والی بات بتائی تھی۔" بال پیچھے ہوئے جنت کو دیکھا۔ کھانا بنانے ہوئے کو دیکھا۔

"مسئلہ حل ہو گیا کیا؟" آنٹی کی آواز میں شرارت تھی۔

"نہیں مسئلہ تو کوئی نہیں تھا۔" وہ مسکرائی۔

"وہ تم آن جنت! شاید تم بھول رہی ہو۔ میری ایک سعدیہ بھابی گئی ہیں۔ وہ جب کبھی میکے جاتی ہیں ایک ہفتے سے زیادہ رکتی نہیں۔ بھائی لینے جاتے ہیں تب بھی۔ ایک بار جب ان دونوں کی لڑائی ہوئی تھی وہ تب بھی پورا ہفتہ میکے رہی تھیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

اور جنت نے بے ساختہ اپنی پیشانی کو چھوا۔ یہ [illegible]

"[illegible] کیا بول رہا تھا۔"

"[illegible] کیا تم [illegible]"

"وہ اصل میں [illegible]" وہ کچھ سوچوں میں الجھ گئی۔

دوسری طرف آنٹی آنکھوں میں شرارت لیے بیٹھی تھی۔

"اچھا چھوڑو۔" اسے اپنے حریف آ گیا۔ "میں تمھاری ماما بھی تو ہوں۔ کسی معاملے میں میری جب ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ [illegible] بچوں کا بھی پورا ساتھ دیتی ہوں۔ [illegible] جب بچے چاہتی ہیں تو ان کی تیاری میں خود کرتی ہوں۔ بھائی کی ساری خبریں بھی میں ہی بتاتی ہوں۔ کہاں سارے بیٹھے ہیں۔ سب کہاں جا رہے ہیں۔ کیا کھا رہے ہیں۔ کتنے اداس ہیں۔ کتنے خوش نظر آ رہے ہیں۔"

"تمھارا کوئی جواب نہیں۔" جنت ہنس دی۔ آنٹی کو بات کر کے اچھا لگا۔ عجیب سی اپنائیت ہوئی تھی اسے جنت سے۔

"شام کو آپ چل رہے ہیں نا کہیں باہر ڈنر پر؟"
اپنی پلیٹ میں مرغ کی روسٹ چکن پر سلاد اور آخری سپرنگ رول رکھتے ہوئے انہوں نے فرمائش کی۔ جنت کو شرمندگی نے گھیر لیا۔ وہ وقت گزر گیا تھا۔ ہم طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اس لیے معذرت کر لی۔ "میں فارس کی قسمیں، پھر چلیں گے کبھی۔"

آفس سے واپس آنے کے بعد وہ دیر تک [illegible]

زینب خوش ہوئی۔ بے ساختہ کرسی سے اٹھ کر اس کی پیشکش کا انکار کر کے آئے تو وہ ہنس دی۔

لیے تھے مہمانوں کی خاطر مدارت میں ہلکان ہوتی وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ڈش رکھ رہی تھی جب اس نے فارس وجدان کو نیچے سیڑھیاں اترتے دیکھا۔

نیلی شرٹ پر سفید ٹی شرٹ میں ملبوس، بھیگے بال پیچھے کو سمیٹے ہوئے، آنکھوں میں ہلکی سی سرخی ابھی بھی موجود تھی۔

زینب کی نظر اس پر پڑی تو اس کا پھولا ہوا چہرہ مزید پھول گیا۔

"گڈ مارننگ۔" ڈائننگ ہال سے گزرتے ہوئے اس نے کہا۔

"گڈ آفٹر نون کہو۔" جنت کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

موصوف نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ پھر پیشانی مسلی، جگ کے پاس سے فرائیڈ چکن اٹھاتے صفدر صاحب کی طرف بڑھ گیا۔

زینب کی چیری کنٹرول کی حد پار ہو گیا۔

"یہ مجھے آپ سے بات نہیں کرنے دیتے تھے۔ کبھی کہتے تھے آپ گھر پر نہیں ہیں، کبھی کہتے تھے آپ سو رہی ہیں، کبھی کہتے تھے آپ بزی ہیں۔ میں نے آپ کو کہا بھی تھا۔ کچھ دن ہی گئی تھی۔ میں سوری کو بھی ملا دیا تھا۔ انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا۔"

جنت نے بڑی مشکل سے اسے سمجھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

"اس دن ہم دونوں بہت تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے میرا فون بند کیا، واپس نہیں کیا۔" یہ ایک اور قصہ تھا۔ جنت نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ تو بھی جانتی تھی کہ فارس پچھلے دنوں سے الجھا ہوا تھا مگر ایسے اکھڑا اکھڑا اس کی توقع نہیں تھی۔

"آپ کو بھی تو پتا ہونا چاہیے کہ ڈنر پلان ہم سب نے بنایا تھا۔"

فارس کی آواز پر جہاں وہ چونکی، وہاں اتنے قریب سے اس کی آواز آنے پر وہ گڑبڑا گئی۔ وہ اس کی کرسی کے پیچھے بہت قریب سے جھکا ہوا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر زینب کی پلیٹ سے مرغ فرائیڈ اٹھا لیے۔ اور ٹکڑوں کی طرح کیے تو ذرا نظریں اس نے جھکا کر اپنی پلیٹ پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔ کرسی اٹھا کر کھڑی ہو۔

اس کی نظر کچن کے دروازے میں کھڑی ہوئی تجسس نگاہوں سے جنت کو بھی فارس کو دیکھتی پھر واپس جانے کے لیے مڑ کر جنت کی طرف رخ کر گئی۔

وہ جیب میں ہاتھ ڈالے مسکراتا باہر چلا گیا۔

"مجھے پاگل ہی۔ ذرا سا بھی اچھے نہیں لگے۔" زینب نے ایک بار پھر ہار کے جانے والا جملہ ایک بار پھر دہرایا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ کچن کاؤنٹر پر موبائل ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی جب صفدر صاحب سے بے تحاشا خوش ہوتے ہی فارس وجدان کچن میں آ گیا۔ زینب کے جانے کے بعد وہ آپ ہی اسے اکیلی نظر آئی تھی۔

"کیسی ہو؟" اس نے فرج سے پانی کی بوتل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ آواز بھاری، لہجہ ٹھہرا ہوا۔

"جیسی بھی ہوں، تمہیں اس سے کیا؟"
موبائل پر خود کو مصروف ظاہر کرتے اس نے غصہ نکالا۔
"تم سے صاف بات کر سکتی ہیں۔"
جنت نے سر اٹھا کر ایک تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔
"کر سکتی ہوں اور اگر کر سکتی ہوں۔" دانت پیس کر جواب دیا۔

فارس نے رک کر اسے دیکھا۔ وہ موبائل پر خود کو مصروف اور بے پروا ظاہر کر رہی تھی۔ مگر آنکھوں میں غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کی موجودگی پر قطعاً توجہ نہیں دے رہی تھی۔
"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"
کوئی بھی جواب دیے بغیر اس نے سر اٹھا کر یہاں وہاں دیکھا۔ پھر اور نظریں آ کر تنگ چھوٹے سے پلنگ اور کمرے پر رکی ہوئی نظر آ گئی۔ فارس نے آنکھیں جھکا کر شروع ہو گئی۔ خیال تھا وہ ہمیشہ کی طرح اسے مصروف دیکھ کر کوئی بات نہیں کرے گا۔ مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ فارس عین اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔
"میں طلاق بھی نہیں دینا چاہتا۔ اور چاہتا ہوں کہ تم کورٹ بھی نہ جاؤ۔ اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟"
جنت کی دھڑکنیں تھم گئیں۔ سماعت پر یقین نہیں آیا۔ گردن موڑ کر اس نے فارس کو صدمے سے دیکھا۔ وہ اس کے پیچھے بے حد قریب کھڑا تھا۔ اتنا قریب کہ وہ اس کے کپڑوں سے اٹھتی مہک اور کلون کی خوشبو بآسانی محسوس کر سکتی تھی۔
"مذاق اڑا رہے ہو تم میرا؟"
"خواہش کا اظہار کر رہا ہوں۔"
"غلط انسان کے سامنے غلط خواہش کا اظہار کر رہے ہو۔ سب چھوڑ دو، مجھ سے پیار کرنے لگے ہو؟"
"میں اپنے بیٹے کی ماں سے بات کر رہا ہوں۔" جھک کر سرگوشی کی۔ جنت کے ہاتھ کانپ سے گئے۔ دھڑکن تیز ہوئی۔ پھر سنبھل کر لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ "کیا اپنے بیٹے کے لیے اس رشتے کو بحال کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں، یہ کام میں صرف تمہارے لیے کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ دم سادھے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک ہاتھ میں گھڑی، دوسرے ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑی رہ گئی۔ یوں جیسے یقین کرنا چاہ رہی ہو کہ اس سے یہ بات فارس وجدان نے کی ہے۔
"اچھا مذاق ہے یہ۔" کلائی سے گھڑی اتارتے ہوئے وہ بول گئی۔
"مگر میں تو سنجیدہ ہوں۔"
گھڑی ٹیبل پر اس نے رکھ دی تھی۔
"مجھے ہرگز ہمدردی نہیں چاہیے کہ کوئی مجھ پر ترس کھائے۔" اس کی آواز تیز ہو گئی۔
"تمہیں کس نے کہا میں تم پر ترس کھا سکتا ہوں؟" اس نے جنت کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ دم سادھے کھڑی رہی۔
"کیوں کر رہے ہو یہ سب؟" اس نے ضبط کرتے ہوئے تحمل سے پوچھا۔
"بتایا تو ہے۔ تمہارے لیے کر رہا ہوں۔"
"میرے لیے؟" تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "برداشت کی ایک حد ہوتی ہے، اور وہ حد اس ایک لمحے میں ختم ہو گئی۔"
"تمہارا دل چاہے گا تو تم نکاح کو کاغذ تک رکھو گے۔ پھر جب تمہارا دل چاہے گا تو اپنے بچے کی خاطر اپنا جائز حق بھی وصول کرو گے۔ تمہاری مرضی تم مجھے ساتھ رکھو۔ تمہاری مرضی تم مجھے طلاق دے دو۔ سب تمہارے اس دل کے گرد گھوم رہا ہے۔" اس نے فارس کے سینے پر انگشت شہادت رکھی۔ "اور تم کہہ رہے ہو، میرے لیے کر رہے ہو۔"
روح کا درد آنکھوں سے بہے جبکہ اذیت لفظوں میں بہہ نکلی۔ آواز سے بے بسی عیاں تھی۔ اس بے بسی کو فارس وجدان نے چاہا تھا۔
"تم کسے بے وقوف بنا رہے ہو؟ مجھے یا خود کو؟" بظاہر مضبوط لہجہ، مضبوط آواز، مگر وہ اس کے

اندر کی توڑ پھوڑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔
"میں نے ایک بات کی ہے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔ "اقرار یا انکار کا اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے۔"
"پہلے میں نہیں جانتی کہ تم اختیار چھیننے میں کتنے ماہر ہو۔"
وہ آنکھوں میں دکھ اور پچھتاوے لیے اسے دیکھ کر رہ گیا۔
بہت سی باتیں تھیں وہ جو بڑھا کر گیا تھا، بہت سی الجھنیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ مگر وہ سخت تھی۔ اب سخت ترین ہو گئی تھی۔ وہ اس کے عدم ثبات کی تہہ تک اب پہنچ چکی تھی، اس کی پریشانیوں کو بیٹھ کر سمجھا تھا۔ جنت کو یقین تو تھا، اس کا اعتماد ٹھہرا تھا۔ اس نے جب اس گھر میں رہنے کی اجازت دی تھی۔ پہلے دل کو رلا دیا تھا، وہ اتنی چپ تھی۔ اور اتنی آسانی سے اسے سوچ نہیں دے سکتی تھی۔ اس کا خوف بچا اس کی پریشانی بڑھا رہی تھی۔
"میں نے صرف ایک چانس مانگا ہے۔"
"میرے پاس کچھ نہیں دینے کے لیے تمہیں ہے۔"
کہہ کر وہ ایک بار پھر پیاز کاٹنے لگی تھی۔ اس کے پیچھے وہ خاموش کھڑا رہا۔
وہ جو کہنا چاہتا تھا، کہہ نہیں پا رہا تھا۔ وہ ایک انکاری تھی۔ مگر لفظوں کی قلت تھی۔ اور ہمت تو ختم ہو گئی تھی۔
وہ الٹے قدموں پیچھے پلٹا، صبر سے ہاتھ ملتے اور پھر کچن سے نکل گیا۔
جنت نے چھری رکھ دی۔ کرتے سے ہاتھ جھاڑے اور جواب دیا۔ اگر جنت کہے آپ کی [illegible] اس نے پیاز کاٹنا شروع کی تھی، مگر اندر تک وہ پھر بھی کٹ گئی تھی۔

☆☆☆

سارا دن خود سے الجھتے رہنے کے بعد شام تک سائرہ نے ہمت کر کے جنت کو کال کی تھی۔ انہیں ڈر تھا وہ کال ریسیو نہیں کرے گی مگر اس نے کر لی تھی۔
"السلام علیکم خالہ۔" اس کی آواز کمزور نہیں تھی، مگر جانے کیوں انہیں لگا جیسے جنت کال کو ریسیو کرتے ہوئے ہی وقت کا سامنا کر رہی ہو۔
"وعلیکم السلام۔" اتنی سی مشکل انہیں ہوئی تھی۔ اتنی ہی وقت، اتنی ہی صعوبت کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔
اب وہ کیا کہتیں اس سے؟ کس بات کا شکوہ کریں۔ کس امر پر شکل دکھائیں۔ پہلے پوچھیں اس نے گھر کیوں چھوڑا، اس سے رابطہ کیوں ختم کیا، اپنے سسرال سے آ گئی کیوں شادی؟
وقت پوچھنے کا نہیں رہا تھا۔ اب اعتراف کی ساعت تھی۔
"مجھے معاف کر دو۔" کس قدر ہمت سے انہوں نے کہا تھا۔ اور دوسری طرف ایک مدہم سی خاموشی چھا گئی تھی۔
"کس بات کی معافی خالہ؟ معافی تو مجھے مانگنی چاہیے، میں نے آپ سب کو پریشان کر دیا۔"
سائرہ کی آنکھوں سے آنسو نکلے، گلے میں پھندا سے ہوئے انہوں نے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھے تھے۔
"تم مجھ سے ناراض تھیں، تم نے گھر چھوڑ دیا لیکن مجھ سے بات نہیں کی۔"
گلا صاف کرتے ہوئے وہ ذرا شرمندہ ہوئی۔
"میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پہلے بھی میری وجہ سے آپ کو بہت پریشانی اٹھانا پڑی ہے۔"
سائرہ خالہ کا دل کٹ گیا۔
"میں آپ کے پاس آ جاتی تو خاندان کے لوگ..." وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ "آپ کے لیے اور مسئلے کھڑے ہو جاتے۔"
مشکل ترین حالات میں بھی وہ ان کی فکر کر رہی تھی۔ ان کا دل غم سے بھر گیا۔
"میں نے تمہیں کبھی نہ جانے کیا کیا کہا تھا۔"
"میں بھی صرف اسی لیے بچانا چاہتی تھی۔ اس

نے یوں کہا جیسے اس کے خواب نہیں تھے، خواہشات نہیں تھیں۔ ایک فیری ٹیل لکھنے بیٹھی، وہ ایک صرف امان والی جگہ چاہتی تھی۔ اسے گھر نہیں چاہیے تھا، زندگی نہیں چاہیے تھی۔ وہ دوری چاہیے تھی خاندان سے، رشتوں سے، لوگوں سے، تکلیفوں سے، ڈر اور خطروں سے۔ وہ ان سب لوگوں سے جو کتنے سالوں سے وہ کھیل رہی تھی۔ اور تو کوئی خواہش نہیں تھی۔ اس نے ظاہر کیا۔ اور تو کسی شے کی طلب نہ کی۔

"ہم تمہیں خوش دیکھنا چاہتے تھے۔" ان کی آواز لرز رہی تھی۔ "جنت میں ان کی وصیت پر عمل نہیں کر سکی۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"ایسا ہی ہے بیٹا! میں تمہاری مجرم ہوں۔"

"خالہ! آپ ہم پر ظلم..." "کس قدر رحمت سے اس نے کہا تھا۔

ان کی آنکھوں میں نمی ٹھہر گئی۔ لب ساکت ہو گئے۔

"یا مجھ سے پیار کہا! ابھی ماں نہیں بن سکتی۔"

"اب میرا اپنا ایسے ہی بے اولاد رہے گا ساری عمر؟" اس کی ہلکی سی آواز میں حسرت... جنت کے پانچ سالوں کا صبر ان کی آنکھوں میں گھوم گیا۔ جس عمرانی کی وجہ سے وہ ہر جگہ سے رد ہوئی تھی۔ وہی عمرانی... کسی اور کی زندگی میں عطا ہو گئی۔ اللہ کی حکمت، اللہ کے معاملات اللہ ہی جان سکتا ہے۔ وہ انسان کے پیچھے لوگ تو صرف ساحل پر رک کر گہرائی کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔ وہ تو دے کے غرور کیا کرتے تھے۔ اپنی نعمتوں پر اترایا کرتے تھے۔ اپنی مصلحتوں پر مسکرایا کرتے تھے۔

"تم... تم ماں بننے والی ہو۔" خوشی سے آنسو چھلک پڑے۔ تم سے مردہ ہوتا دل اس خبر پر زندہ ہوا۔ وہ رو پڑیں۔

"اب آپ کیسے سوچ سکتی ہیں میں خوش نہیں ہوں گی؟" اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

ماہرہ خالہ احساس ندامت میں گھر گئیں۔ وہ اب بھی ان سے متعلق خوش گمان تھی۔ ایک بیٹے کے لیے بھی غلط نہیں سوچ رہی تھی۔ الٹا انہیں سمجھا رہی تھی۔ انہیں تسلی دے رہی تھی۔

"مجھے یہاں آ کر پتا چلا ہے خوشی ایک نعمت ہے اور سکون اس سے بھی بڑی نعمت! خوشیوں کا تعلق دنیاوی نعمتوں سے ہے اور سکون کا تعلق صرف اللہ سے ہے۔ دل اللہ سے جڑ جائے خالہ تو پھر زندگی کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو آسان ہو جاتی ہے۔"

اس کا ایک ایک لفظ ان کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گیا۔ وہ تھی خاص ہی۔ انہوں نے بھی سمجھائی تھیں۔

"تم کتنی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔" انہوں نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

وہ ہنس دی۔ بڑی باتیں سمجھنے کے لیے اسے بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا تھا۔

"اب سب ٹھیک ہے نا؟ اور فارس... فارس تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" جنت کی گمشدگی کے بعد فارس کی دیوانہ وار جستجو اور فکرمندی وہ اپنی آنکھوں سے تو دیکھ ہی چکی تھیں۔ مگر اب جیسے وہ آنکھوں پر یقین نہیں رکھنا چاہتی تھیں۔ اب گہرائی میں اترنا چاہتی تھیں۔ "اب... خالہ" وہ جاننا چاہتی تھیں۔

"کوئی بھی مسئلہ ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں اور تمہارے خالو اس سے بات کریں گے۔ اسے سمجھائیں گے۔"

وہ لمحے کے لیے خاموش ہوئی تھی مگر چاہ کر بھی کوئی شکوہ شکایت نہ کر سکی۔ ذہن جھنجھنا ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے انسانوں کو بتانے کے لیے اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ جیسے پہلے سب ہی معاملات اللہ نے سنبھالے تھے تو اب بھی وہی سنبھالے گا۔

"جنت!"

"اب تو سب ٹھیک ہے خالہ!" سوچ سمجھ کر کہا۔ "مگر تھوڑا معری غلطی تھی۔ فارس نے تھوڑی نشانہ تھا۔"

گو کہ وہاں کے زمین نہیں تھی۔ نہ مرے

آسمان برس رہا تھا۔ مگر جس فضا میں وہ معلق تھی۔ اس فضا نے وہ آواز دور کر دی تھی۔

بات ختم ہو گئی۔ فون بند ہو گیا۔ سارا بوجھ اتر گیا ہو جیسے سینے سے کچھ گیا ہو۔ ضمیر کی ملامت تھوڑی کم ہوئی ہو۔ مگر بے سکونی ابھی تک قائم تھی۔

"آپ نے اپنی طرف سے میرے لیے بہت اچھا سوچا۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔"

جنت کو ان سب سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ مگر انہیں خود سے بہت گلے ہو چکے تھے۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ برابر میں مسز شیرازی سو رہی تھیں۔

اسے اپنی طبیعت میں کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ شاید چکر آ رہے تھے یا گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو سر گھوم کر رہ گیا۔ چند لمحوں تک گہری سانسیں لیتی رہی۔ پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔

دیوار کا سہارا لیے اس نے واش روم کا رخ کیا تھا۔

اسے ایک قے سی ہوئی۔ شام کو لی جانے والی خوراک باہر آ گئی۔ واش بیسن پر گرفت جمائے اس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ شکل دھندلی اور چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا۔

اس نے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے اور بے حد احتیاط اور آہستگی سے قدم اٹھاتی لاؤنج میں آ گئی۔ اسے یاد تھا سارہ خالہ کے فون کے بعد وہ مسز شیرازی سے باتیں کرتی ان کے کمرے میں ہی سو گئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ صوفے پر یونہی بے دم سی بیٹھی رہی۔ نہ اب اٹھنے کی ہمت تھی نہ کسی کو آواز دینے کی سکت۔

ذہن ماؤف تھا۔ آنکھوں پر دھند چھا رہی تھی۔

اس نے پیشانی کو اور پھر آنکھوں کو مسلا۔ نظر سیڑھیوں کے اس طرف آفس کے اوپر لگے دروازے پر جا ٹھہری۔ کمرہ روشن تھا۔ ہر طرف زرد روشنی بکھری ہوئی تھی۔

کیا فارس اندر تھا؟ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بمشکل سانس لی۔ پھر کچھ قوت پیدا کر کے اسے آواز دی۔

روشنی موجود رہی۔ دروازہ ساکت رہا۔ شاید آواز اس تک نہیں پہنچی تھی۔ اسے بے اختیار رونا آ گیا۔

"کیا... فارس" کوشش کر کے پکارا۔ اب وہ رو رہی تھی۔ دل پھٹا جا رہا تھا۔ عجیب وحشت اور گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ منظر کچھ اور دھندلا رہا تھا۔ قوت کچھ اور رخصت ہو گئی۔ اسے لگا وہ ڈوبنے لگی ہے۔

"فارس" ایک بار پھر اسے پکارا۔

یکایک دروازہ کھل گیا۔ اس نے فارس کو باہر نکلتے اور پھر عجلت میں اپنی طرف آتے دیکھا۔

"کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟" کندھوں سے تھام کر پوچھا تھا۔ آنکھوں میں فکر، لہجے میں پریشانی تھی۔

اس نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اب بے جان ہو رہا تھا۔ اسے لگا وہ بس مرنے والی ہے۔

"جنت" وہ آخری آواز تھی جو اس نے سنی۔

وہ آخری چہرہ تھا جو اس نے دیکھا۔ روشنی تیز ہوئی۔ آوازیں مدھم۔ جیسے کوئی پکارتے ہوئے دور، بہت دور جاتا رہا ہو۔ اور پھر سب تاریک ہو گیا۔

☆☆☆

داہنے ہاتھ کی پشت پر کچھ چبھن کا احساس ہوا۔ ذہن پر چھائی ہوئی دھند چھٹنے لگی۔ آوازوں کو مفہوم مل گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ کسی کی گرفت میں تھا۔ نرم سی گرفت۔ جیسے بابا کے ہاتھوں کی ہوا کرتی تھی۔ اس نے انگلیوں کو جنبش دیتے ہوئے ہاتھ بند کرنا چاہا۔ اس کا ذہن پھر غنودگی میں چلا گیا۔

دوبارہ اسے ہوش آیا تو ہاسپٹل کے کمرے میں نیم تاریکی سی تھی۔ بابا وہاں نہیں تھے۔ داہنے ہاتھ پر ڈرپ لگی تھی۔ سامنے ہی کھڑکی کے پاس فارس موبائل ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر اس کے پاس آ گیا۔

"مگر... کیا... ہوا تھا؟" اس کی آنکھوں میں خوف برپا ہوا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا، سب ٹھیک ہے۔ تم لیٹی رہو۔" فارس نے ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ تکیے پر سر رکھتے ہوئے اس نے دائیں ہاتھ سے پیشانی کو چھوا۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔" وہ صوفے میں بیٹھ کر ناچاہتے ہوئے آنکھوں میں بھر گئی۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے کہا۔ سر ابھی بھی کچھ بھاری تھا۔ مگر پہلے جیسی حالت نہیں تھی۔

گہری سانس لے کر کمرے کا جائزہ لیا۔ کھڑکیوں میں ایک پراسرار سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں کے پاس رات ابھی بھی باقی تھی۔

"کیا ٹائم ہو رہا ہے؟" اس کی آنکھیں بوجھل کے کھلتی تھیں پھر بند ہو جاتی تھیں۔

"رات کے بارہ بجے ہیں۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" کھانا تو ناراضی انسان کے آگے کچھ نہیں۔

"میں کھانے کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔" ایک نرم سی نگاہ اس پر ڈالتے وہ اٹھ گیا۔

خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے جنت نے گہری سانس لی۔

"فارس! تم یہاں..." وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا ہی تھا جب کوئی عورت اس کے سامنے آ گئی تھی۔ "تم جنت..."

جنت کی آنکھیں کھل گئیں۔ بے ساختہ دروازے کی طرف دیکھا۔

"مائی وائف از ناٹ فیلنگ ویل۔" اس نے سنا۔ فارس کی پشت نظر آ رہی تھی۔

"اوہ، کیا ہوا ہے؟ وہ ٹھیک تو ہے؟ وہ میری تو کافی عرصے سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"

جنت کی دھڑکن تھم گئی۔ فارس نے پورا کھلا دروازہ کھینچ کر بند کر دیا۔ آوازیں معدوم ہو گئیں۔ دروازے کے پیچھے قدموں کے آثار بھی غائب ہو گئے۔

کمرے کی خاموشی وجود میں اتر آئی۔ شب کا اندھیرا آنکھوں میں حلول کر گیا۔ وہ چند لمحوں تک دم سادھے پڑی رہی۔ پھر کروٹ بدل کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

☆☆☆

اوصاف منزل میں ایک سے بڑھ کر ایک مہمانوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ شادی کے دن قریب تھے تو اس کے حصے کا کام بھی بڑھ گیا تھا۔

آج قرت کی مہندی تھی۔ مہمانوں سے بھرے گھر میں ہر طرف رنگ برنگے آنچل ہی نظر آ رہے تھے۔ کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے۔ وہ بے جی کے ساتھ ہی ہونے والے کام نمٹا رہی تھی۔ اور وقت بے وقت آنے والے مہمانوں اور رشتہ داروں کا بھی جائزہ لے رہی تھی۔ بے جی اس طارق صاحب کی بہن بھی تھیں اپنی بھتیجی کی شادی پر تو وہ آئے گی۔ مگر اسے ابھی تک کوئی ایسی صورت نظر نہیں آئی تھی جس کے متعلق وہ یہ گمان کرتی کہ یہ طارق صاحب کی بہن ہو گی۔ دروازے پر جتنی خواتین کو دیکھتی تھی۔ کوئی بھی نیا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

مہمانوں کی دیکھ بھال اور انہیں مشروب پیش کرنے کی ذمہ داری اس پر آئی تو اس نے اس کی جان کو کچن کے دروازے کے پاس ٹھہرایا۔ صفری کو اس پر نظر رکھنے کا کہا اور ٹرے اٹھائے یہاں پہنچ گئی۔ سوچا تھا بس وہ دو منٹ میں پیش کر کے پیچھے جائے گی مگر وہ دس منٹ لگ گئے۔ پیچھے آئی تو صفری ٹرے اٹھائے کھڑی تھی۔ پیچھے درد کی شدت سے بچے کا رو رو کر برا حال ہو چکا تھا۔

"ہائے اللہ جی! یہ کیا ہوا؟" وہ گھبرا گئی۔

"دروازے میں ہاتھ آ گیا۔"

ننھے سے سرخ ہاتھ پر نظر پڑتے ہی رونی کے دل سے جیسے آواز نکل گئی۔

"میں کہہ کر گئی تھی اس کا خیال رکھنا۔"

"ایسے ہی کتنے کام دیکھوں میں؟" صفری بھی کھڑی تھی۔

وہ روتے بلکتے بچے کو اٹھائے اسی وقت طارق صاحب کے پاس چلی گئی جو کمرے کا سب ٹھاٹ باٹ دیکھ رہے تھے۔

"وہ بچے کا ہاتھ آگیا دروازے میں۔"

انہوں نے سر اٹھایا۔ ایک نظر اسے دیکھا۔ دوسری نظر روتے بچے پر ڈالی۔ پھر پاس کھڑے بیٹے سے یوں مخاطب ہوئے جیسے انہوں نے رودابہ کی کوئی بات کی ہی نہ ہو۔ وہ مستنصر ہوا وہ کام تھا جس تک وہ لپکے کھڑے تھے۔ وہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ پھر وہ بیگم کے پاس گئی۔ اس کے بعد اپنے چھوٹے صاحب کے چھوٹے بھائی کے پاس۔ مایوس ہو کر وہ رشیداں کے یہاں چلی گئی۔

"اسے ہسپتال لے جاؤ رشیداں!"

بچے کی حالت دیکھ کر خود رشیداں کو ترس آگیا۔ فوراً سے چادر اٹھائی۔ بچے کو لیا اور ہسپتال چلی گئی۔

اس تمام عرصے میں رودابہ خالی الذہن کیفیت میں اپنے مالکوں کا کام کرتی ہوئی لڑکی سی پھرتی رہی۔

ننھی ننھی سی انگلیاں کتنی سرخ ہو رہی تھیں۔ جانے سے چہرے پر کیسا درد تھا، جیسے خراش آگئی ہوئی تھی۔ اور وہ کتنا چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ وہ اسے سوچ سوچ کر بہت پریشان ہوتی رہی۔

مہندی کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ فارغ ہو کر وہ ادھر کوئی سیڑھیوں پر جا بیٹھی۔ دوپٹے کا پلو انگلی میں لپیٹے اس کا ہاتھ میں تھا۔ منتظر نگاہوں سے گیٹ کو تک رہی تھی۔ رشیداں تو شاید ہی اس کو کال کرتی۔ نہ ہی کال کرنے کی ضرورت پیش آئی گی۔ اماں ہی فون کرتی تھیں۔

یکایک سیل بج اٹھا۔ رشیداں کی کال تھی۔

"میں بچے کو لے کر گھر آ جاتی ہوں۔"

وہ فوراً سے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی۔

گیلری میں قدم اٹھاتی وہ اس طرف گئی جہاں دروازہ کھلا نظر آ رہا تھا اور اندر چلی گئی۔ بالکل سامنے ہی چارپائی پر رشیداں بیٹھی تھی۔

بچہ پہلو میں ہی سویا پڑا تھا۔ کچھ بے قراری سے وہ اس پر جھکی۔ اس کا ننھا چہرہ پیار کے تنفس سے، ہاتھ کو دیکھا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ایک ہاتھ سے پنکھا جھلتے ہوئے رشیداں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"ڈاکٹرنی نے تو مجھے ابھی خاص سمجھا دیا ہے۔ کچھ دن کی ہی بیماری ہے۔ بھری ہانڈی سے ہاتھ دروازے میں آ گیا ہوگا۔ اور چوٹ صرف ایک تو ناخن کی ہی رہ گئی۔"

"کل صاحب جی کے بچے نے دھکا دیا تھا تو۔ سیڑھیوں سے گر گیا۔" اس نے گلوگیر آواز میں بتایا۔

رشیداں گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"سنو رشیداں!" سر اٹھا کر مخاطب ہوئی۔ "بیچارے کے لیے ایک ذرا سا کام ہی تو کہا ہے تمہیں۔"

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے یہ کام بہت آسان ہو۔ کبھی تم نے کیا، اس کو پتا کون ہے۔ یہاں رہتے ہوئے مجھے اس کی ماں کی کوئی خبر ہے۔"

"تو اسے سالوں سے ان کے پاؤں میں وہ رہی ہے کچھ تو پتہ ہوگا۔ کچھ تو۔"

"وہ کچھ کہہ رہا تھا کہ وہ کوئی بڑا امیر آدمی ہے۔ اسلام آباد میں رہتا ہے بس۔" رشیداں نے ہاتھ میں پنکھا جھلتے ہوئے ہاتھ کھڑا کیا۔

"تو اسے گھر والے سے بات تو کر۔ کچھ تو ہو گا اسے۔ مجھے بس اس کا نمبر چاہیے۔ باقی میں سب خود دیکھ لوں گی۔"

رشیداں نے عجیب سے اس دھان پان سی لڑکی کو دیکھا۔ جس کا خود کا کوئی سہارا نہ تھا وہ دادیوں کی طرح اس بچے کے لیے سہارا ڈھونڈ رہی تھی۔

"کیا پتہ میری یہ نیکی اللہ کو پسند آ جائے اور وہ میرے لیے آسانیاں کر دے۔" وہ منت سماجت پر اتر آئی تو رشیداں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ بات کروں گی میں۔ لیکن

وعدہ نہیں کر سکتی۔"

روبی نے خوش ہو کر ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بچے کو احتیاط سے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ وہ اکیلی نہیں تھی، شاہ زیب بھی ساتھ تھا۔

"ڈاکٹر کہہ رہی تھی بچہ بہت کمزور ہے۔ صحت کا خیال رکھو۔" تشویش سے کہا۔

"جتنا ہو سکے رکھتی تو ہوں۔ دودھ میں پانی ڈال کے دیتی ہوں۔ بڑی بیگم ایک ایک چیز پر نظر رکھتی ہیں۔"

رشیدہ کو افسوس ہوا۔

"تو میرے سے لے جایا کرو جو چاہیے ہو تو۔ ظالم لوگ۔ اللہ کے قہر سے نہیں ڈرتے۔ یتیم کے ساتھ ایسا سلوک۔"

وہ اسے بیٹھنے کا کہتے ہوئے جو کھڑی ہوئی تو مجبور کر گئی۔ مگر گھر پہنچ کر سیدھا اپنے کمرے میں گئی۔ بچے کو احتیاط سے سلانے کے بعد چارپائی کو کھینچ کر کھڑکی کے پاس رکھا۔ برابر میں بیٹھ کر بہت نرمی اور افسوس سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

لانبی پلکوں پر جھکی جھکی سی ٹھہری تھی۔ ستا ہوا گلابی چہرہ کتنا زرد ہو رہا تھا۔ ننھے ننھے سے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ وہ اس میں بہت کمزور لگ رہا تھا۔

"بس کچھ دن اور۔ تمہیں میں یہاں تو نہیں رہنے دوں گی۔" اس کے گرد بازو ڈالے کھلی کھڑکی کے اس پار عین سامنے شادی والا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ مہمانوں کی آمد و رفت تا حال جاری تھی۔ دروازے کے پاس ہی طارق صاحب کھڑے تھے۔ کچھ پیسوں کا حساب کتاب کرتے ہوئے۔

اللہ کے قہر کو دعوت دیتے لوگ۔ اللہ کے نام پر، صدقہ خیرات کے نام پر اچھی خاصی رقم لٹانے کا سوچ رہے تھے، تاکہ ان کی اپنی اولاد کی خوشیاں سلامت اور محفوظ رہیں۔

☆☆☆

نیم تاریکی میں آنکھوں کو چبھتی ہوئی روشنی موبائل اسکرین کی تھی جو بلنک ہو رہی تھی۔ مگر رنگ کی آواز بہر حال نہیں تھی کہ اسے وہ سائلنٹ پر لگا دیتی۔ آنکھ کھلی سو کر رکا تھا وہ دماغ جاگا ہوا تھا۔ کس قدر دکھ سے وہ بستر کے بل اوپر ہوئی۔ ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل کا لیمپ آن کیا۔ پانی کا جگ اور گلاس وہاں نہیں رکھا تھا۔

"کچھ چاہیے؟" لیپ ٹاپ گود سے ہٹا کر ایک طرف رکھتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"پانی۔" اس کی آواز نیند سے بوجھل اور آنکھیں خمار بھری تھیں۔ مدھم سی روشنی میں بھی وہ اس کے چہرے کی پژمردگی کو محسوس کر سکتا تھا۔

گزشتہ کچھ دنوں سے اس کی طبیعت خراب تھی۔ ڈاکٹر کے پاس بھی لے جا چکا تھا۔ وہ میڈیسن اور ضروری ٹانکس بھی لے رہی تھی مگر پھر بھی بخار کبھی اتر جاتا مگر کمزوری کے باعث طبیعت نڈھال ہوئی رہتی تھی۔

لحاف ہٹا کر ایک سائیڈ پر کرتے ہوئے وہ بیڈ روم فریج کی طرف بڑھ گیا۔ پانی کی بوتل اور گلاس اٹھا کر اس کے پاس آیا تو وہ تب تک اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ اس نے گلاس لے کر پانی پیا۔

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

جنت نے خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ پچھلے تین دنوں سے وہ ایسی ہی ایک نظر اس پر ضرور ڈالتی تھی۔ شک، حیرت اور الجھن بھری نظر۔

"میری غیر موجودگی میں تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں! کیوں؟" وہ اس کے سوال پر کچھ حیران ہوا۔

"تم مجھ سے پوچھتے ہو۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، مطلب تم سمجھتے ہو۔" ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"نہیں پوچھنا چاہیے؟"

پہ ... ایسے پارٹی ہو تک نہیں پہنچا تو اب
کیوں؟"

سوال بجا تھا، مگر فارس کی [illegible] وہ جواب
[illegible] ہو جاتے تو وہ [illegible] دوست
کر لی [illegible] ہو گئی۔ فارس [illegible] طرف [illegible]
[illegible] میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ [illegible] ہاتھوں پر [illegible]
ہوئے [illegible] لیپ ٹاپ رکھا اور ایک بار پھر اپنا کام
کرنے لگا۔

وہ اس کی جانب کروٹ [illegible] کر [illegible] کے
[illegible] خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ آنکھوں پہ
ریڈنگ گلاسز تھے، پیشانی پہ بال ترتیب سے
بکھرے ہوئے۔ [illegible] سے اپنا کام کرتے ہوئے
وہ [illegible] سے بہت پیارا لگ رہا تھا۔

"جانتے ہو ڈاکٹر آمنہ مجھ سے کیا کہہ رہی
تھیں؟" اس کی آواز [illegible] سے [illegible] کر رہی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھیں؟" فارس نے نظروں کا
[illegible] نہیں ہٹایا تھا۔ کی بورڈ پہ انگلیاں تیزی سے حرکت
کر رہی تھیں۔

"آپ پیشنٹ [illegible] مسز فارس! کیا مطلب
کیوں پیشنٹ نہ ہوں؟ یہ ڈاکٹرز اس طرح کی [illegible] باتیں
کیوں کرتی ہیں، مطلب شوہر ان سے کہیں کہ
[illegible] پیشنٹ نہ ہوں۔" [illegible] سا لہجہ
[illegible]

مسز فارس اس کی [illegible] اس کا [illegible] لہجہ
[illegible] وہ [illegible] کے [illegible] میں اس کے
دل کے تار [illegible] گئی۔

فارس نے بے ساختہ لیپ ٹاپ سے نظریں [illegible]
کر اسے دیکھا [illegible] کہ وہ [illegible] اپنے کام پر
نہیں [illegible] سکے گا۔

[illegible] روشنی میں [illegible] کا [illegible] چہرہ
[illegible] تھا، سرخ آنکھوں میں [illegible]
پیشانی پر [illegible] بال تھے [illegible] کے لیے
اس کے [illegible] ہوتے [illegible] ہونٹ [illegible]
[illegible] نظر آئی تھی۔

"ہمارا [illegible] کیا [illegible] تمہیں؟" اس کا
انداز [illegible] کے لیے [illegible] تھا۔ وہ [illegible]
کے لیے [illegible] ادھر سے [illegible] پریشان
[illegible] سے [illegible] آگئی۔

"تم [illegible] میری سب سے بڑی [illegible] ہو۔"
[illegible] گزشتہ [illegible] دنوں سے وہ [illegible] اس
کا [illegible] تو [illegible] اسے
[illegible] وہ [illegible] تھی۔
[illegible] خاموش رہی تھی۔ اب
[illegible] خاموش [illegible] تھی۔

"میں نے کہا تھا کہ تمہارے ساتھ [illegible] شیئر
نہیں کرنا [illegible] شیئر کرنا پڑتا ہے۔
[illegible] سے تم کیا کہتے ہو [illegible] تو [illegible] ہے
[illegible] اپنی مرضی سے [illegible] کرنے میں
آزاد ہے؟" [illegible] چہرے کے [illegible] کے
ساتھ اس نے فارس کی [illegible] اس نے اپنے
لبوں پر [illegible] مسکراہٹ [illegible]

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو اس لیے"

"اس لیے کیا؟" [illegible] ہو کر اس
نے فارس کو [illegible] نظروں سے گھورا۔ [illegible]
خراب نہیں ہوئی [illegible] ہے تم نے ایک بار مجھے
[illegible] سے [illegible] تھا۔ [illegible] سونے پہ
[illegible] اس کمرے سے [illegible] ہو جاؤ۔" آواز
[illegible] کر کے چہرے کے تاثرات [illegible] کی
[illegible] بہت خوب صورتی سے [illegible] گئی۔ وہ کھل کر
مسکرا دیا تھا۔

"اس دن بھی میری طبیعت خراب تھی، سر میں
درد تھا، [illegible] اس دن تو تم نے
میری کوئی [illegible] نہیں کی تھی۔"

فارس کو [illegible] اپنی اس حرکت پر بہت
افسوس ہوا۔

"ہاں [illegible] جب تم [illegible] سے آئی تھیں تب کی
تھی۔"

وہ [illegible] کہنے کے لیے منہ کھول ہی رہی تھی

لب بھینچ کر رہ گئی۔

"اس لیے کہ تمہیں بتا کر مجھے جتا سکو؟"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"تو کیا مطلب تھا تمہارا؟"

کیا اس کو لڑائی کا موڈ ہو رہا ہے؟ فارس نے الجھن سے اسے دیکھا۔

"تم مان کیوں نہیں لیتے کہ مجھے تمہاری مرضی کے مطابق چلنا پڑ رہا ہے۔ پہلے بھی۔ اور اب بھی؟"

فقرہ فقرہ لفظوں کا جواب۔ فارس کو اندر ہی اندر جھنجھلانے لگا۔ بظاہر وہ واپس سے بچی کی دکھ کا اظہار بے بات کرتی تھی مگر وہ۔ اس کا کرب۔ اس کا درد۔ بہت اندر سے محسوس کرنے لگا تھا۔

"تمہارے دماغ میں اب کیا چل رہا ہے؟"

اس کی خاموشی سے عاجز آ کر وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تم خود کو پریشان کر رہی ہو۔" اس نے کہا۔

"پریشان تم مجھے کر رہے ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "میں کیسے مان لوں، تم اب کوئی چال نہیں چل رہے؟ یا اب تمہارا کوئی پلان نہیں ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس طرح رویہ بدل کر تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔" اس نے واضح کہہ دیا۔

فارس چند لمحوں تک اسے خاموش نظروں سے دیکھتا رہا۔

"عدیل احمد کل تمہیں کیٹلاگ دے جائے گا۔ فرنیچر پسند کر لینا۔ ایک دو دن میں کمرہ فرنشڈ ہو جائے تو پھر تم یہ شفٹ ہو سکتی ہو۔" اس کا لہجہ سخت نہیں تھا نہ ہی لفظوں میں نفرت کی کاٹ تھی۔

"ہاں تم تو یہی چاہو گے۔ تم تو پہلے بھی یہی چاہتے تھے کہ میں اس گھر سے نکل جاؤں۔"

وہ کچھ حیرت سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"میں تو بس اس لیے کہہ رہا تھا کیونکہ تمہیں الگ کمرہ چاہیے۔"

"ہاں چاہیے۔ بالکل چاہیے۔ جب تک میں یہاں ہوں۔ مجھے الگ کمرہ ہی چاہیے۔ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے پاگل نہیں ہونا۔" رخ بدل کر کہیں اور دیکھنے لگی۔ وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا۔

"چلو، تمہاری ایک ٹینشن تو کم ہوئی۔" مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"ٹینشن کم نہیں کرنی مجھے۔ ختم کرنی ہے۔"

وہ اس کی دیدہ دلیری پر حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

"اب میں خود کو اس لیے تو ختم نہیں کر سکتا کہ میں ایک ٹینشن ہوں۔ لیکن۔ کوشش کر کے خود کو تھوڑا سا بدل سکتا ہوں۔ ٹینشن کی جگہ کچھ اور ہو سکتا ہوں۔"

اس کا لہجہ خاصا دوستانہ تھا۔

گردن موڑ کر وہ کچھ صدمے سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کہاں وہ ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتا تھا اور کہاں اب اسے کسی بھی بات پر غصہ نہیں آ رہا تھا۔

"مجھے پورا یقین ہے تمہارے سر پر کوئی چوٹ لگی ہے۔"

"ہاں چوٹ تو لگی ہے۔ لیکن سر پر نہیں۔" اس کا معنی خیز جملہ چھت کے اوپر سے گزر گیا۔ وہ اس کے پرسکون رویے پر چپ کی گئی۔ اس کی مسکراہٹ سے چڑ گئی۔

پھر گہری سانس لے کر اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

وہ سینے پر بازو باندھے چہرے کا رخ موڑے اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ لیمپ کی روشنی اس کے نقوش پر خصوصاً بڑھتی ہوئی سبز کالی آنکھوں کا تاثر دے رہی تھی۔ بلیک کلر میں اچھا لگ رہا تھا وہ۔ فوراً نظر ہٹا کر دل کو جھڑک دیا۔ کہ کلر کے ساتھ اچھا لگے یا برا اسے کیا؟

"مت بھولنا کہ میں یہاں آنی کی وجہ سے صرف ڈلیوری تک ہوں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔" اپنے اندر بہت سارا خوف اور ڈھیر سارا

جیسے اسے پچھلے کچھ دنوں میں ہر بات کی عادت ہو چلی
تھی۔
"تم جانتی ہو، میں کسی کی کوئی بات نہیں مانتا۔"
وہ بس اس ایک جملے سے ہی اس کے خدشات رفع
کر سکتا تھا۔
"یہی بات تو کہی ہے، ورنہ تم پر مجھے یقین تو
ہے بھی کہاں۔" کروٹ بدل گئی۔ فارس
نے جھک کر کہا۔
جنت نے گہری سانس لے کر آنکھیں موند
لیں۔ صرف ایک تصویر ایک طرف۔ مسز شیرازی کی
باتیں اور نصیحتیں دوسری طرف۔ اور آنے والے
وقت اور فارس کی کشش تیسری طرف۔ اچھا تو وہ بھی
جانتی تھی فارس مسز شیرازی کی کوئی بات نہیں مانتا
تھا لیکن ماں سے بڑی بات ہے خیال رکھنے کی ہوگی۔
اب بات بچے کی تھی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بچے
اور دوسرے میں بدلاؤ لے آتا ہوگا۔ اپنی اولاد کے لیے
انسان کیا کچھ کرتا ہی ہے۔ ہاں، کیا کچھ کرتا ہی ہے۔
"ایک سوال پوچھوں تم سے؟"
"ہوں۔" نگاہیں اسکرین پر مرکوز تھیں۔ وہ
کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جنت نے اس کی طرف کروٹ
بدلی۔
"مجھ سے پہلے تم نے محبت کی تھی کسی سے؟"
فارس کی انگلیوں کی حرکت رکی۔ سانس تھم
گیا۔ وہ سوال، صرف سوال نہیں تھا۔ وہ مسز شیرازی کی
باتوں کو پانے کے لیے ٹوٹ کر اس کے حواسوں
پر گرا۔ اس کے تاثرات بدل گئے۔ نرمی مفقود ہو گئی۔
گردن موڑ کر اس نے جنت کو دیکھا۔
بچے کے لیے لحاف کو دونوں ہاتھ کھینچے وہ
اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ بلاوجہ بچے میں کوئی تجسس نہیں
تھی۔ نہ ہی آنکھوں میں وہ تجسس نظر آ رہا تھا۔ مگر
وہ سوال... وہ عام سا سوال نہیں تھا۔ اتنا خفیف بھی
نہیں کہ پوچھ لے اسے رکھ کر انداز نہ ہو۔
"رات کافی ہو گئی ہے۔ اب سو جاؤ۔"
اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے رکھ دیا۔

"اس نے تمہیں چھوڑا اور تم اسے بھول گئے یا ابھی؟
چاہتے ہو؟ کیوں؟" وہ دوسرا سوال پوچھ چکی تھی۔
یہ کچھ دے ماری تھا نہ کی تھی۔
فارس نے بہت نرمی سے اس کے گال پر ہاتھ
رکھا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں اب
آرام کرنا چاہیے۔"
"تم نے میرے موبائل سے ساری تصویریں
ڈیلیٹ کر دیں۔ یہ سوچ کر اس طرح میری یادداشت
سے بھی سب مٹ جائے گا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی
تھی۔ وہ صرف اپنی کہہ رہی تھی۔
وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔
جنت کی سرخ آنکھوں میں نمی چمکی۔ یہ وہی شعلہ
فکر اور یقین تھا جو ہر کسی کی آنکھوں سے چھلک رہی ہیں۔ میں
نے دیکھا ہے تم اس کے ساتھ کتنا خوش تھے۔" اس
نے کہا۔
وہ سمت جیسے سمانے کی ارادہ میں؟ بتا رہا تھا اسے
اندازہ نہیں تھا وہ ایسی بات کرے گی۔ ایسا سوال۔
ایسا انکشاف کرے گی۔
"میں... میں اس پر کوئی بات نہیں کرنا
چاہتا۔" اس نے ہر ممکن کوشش سے اپنا لہجہ نارمل رکھا۔
"میں بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر تم میرے اور اپنے
میری پہلی شادی کے بیچ میں لے آئے تھے۔" جنت کا
لہجہ اب کے ذرا سا سخت ہوا تھا۔
"میں غلط کر رہا تھا؟ کیا یہ ضروری ہے تم بھی
وہی غلطی دہراؤ؟"
اس کا اعتراف اس پر غلطی کا اعتراف تھا۔
چھوٹا تھا اس کے لہجے میں۔ اس کی آواز اور
آنکھوں میں۔ یہ وہی جملہ بات یہ وہ دکھ ہے جس سے
عمل جاری۔ مگر چھوٹا تھا۔ چھوٹا تھا۔
"میں ذکر نہیں کروں گی تو تمہیں میری تکلیف
کا اندازہ کیسے ہوگا؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "یہ کیسے پتا
چلے گا کہ جب کسی لڑکی کی دوسری شادی ہوتی ہے تو
وہ اپنی پہلی شادی کا ذکر کسی صورت نہیں سننا چاہتی۔"
"تم ذکر نہ بھی کرو تو مجھے اندازہ ہے تم کس

تکلیف سے گزر رہی ہو۔"

جنت اپنی جگہ تھم گئی۔ آنکھوں میں کرب اتر آیا۔ دل لہو سے بھر گیا۔

"تمہیں اندازہ ہے؟ وہ بھی میری تکلیف کا؟ صرف اس لیے کہ شوہر تم ہو۔ تمہاری پہلی بیوی کی بات کر رہی ہوں۔ تم مجھے اس طرح کے جواب دے رہے ہو۔" اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ برداشت ختم ہو رہی تھی۔

"ہم کیس وائف!" فارس نے تصحیح کی۔ "اور میں چاہتا ہوں تم اس کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو۔" اس نے سنجیدگی سے منع کیا۔ لہجہ ابھی بھی سخت نہیں تھا۔ وہ جیسے نارمل لہجے میں بہت نارمل سی بات کر رہا تھا مگر اس کے اندر۔

"کیوں بات نہ کروں؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ "وہ میرے سامنے آ سکتی ہے؟ مجھ سے بات کر سکتی ہے؟ اپنی محبت اور تمہاری زندگی کی داستان بھی سنا سکتی ہے لیکن میں تم سے اس کے بارے میں کوئی بات نہ کروں؟" آنکھوں میں غیظ و غضب کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ لہجہ غصیلا، آواز بھرائی۔ آج سے پہلے وہ اسے غصے میں اتنی بھی نظر نہیں آئی تھی۔

"تم مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں سوال کر سکتے ہو، میری سابقہ شادی کا مذاق اڑا سکتے ہو، میرے کردار پہ بات کر سکتے ہو۔ لیکن میں تم سے تمہاری زندگی کے بارے میں ایک چھوٹا سا سوال بھی نہیں پوچھ سکتی۔" وہ اذیت سے ہنسی۔ آنکھیں تر ہو چکی تھیں۔ مگر فارس... وہ خاموش تھا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ اس کے لب باہم پیوست تھے۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی اتری ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ تاثرات سے عاری ہو چکا تھا۔ وہ اتنا بول چکی تھی، اتنا کہہ چکی تھی اور وہ پھر بھی خاموش تھا۔

وہ سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اور وہ سر جھکائے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

یکایک جنت کو احساس ہوا اس نے عدینہ کا ذکر چھیڑ کر اپنی پوزیشن کمزور کر لی ہے۔ اپنے خوف، اپنے خدشات فارس پر عیاں کر رہی ہے۔ اس نے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اس نے ہار کی جو عادی ہے۔

"میں اس لیے نہیں پوچھ رہی تھی کہ مجھے تمہاری زندگی میں کوئی انٹرسٹ ہے۔" اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس نے آواز کو حتی الامکان مضبوط کر لیا۔ وہ جو بھی آنکھوں میں ابھری تھی اسے چھپا لیا۔ وہ جو خوف سا ظاہر ہوا تھا لہجے سے، باتوں سے، اسے دبا لیا۔

"مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں۔ پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ اب دوبارہ کہہ رہی ہوں۔ تم کسی بھی عدینہ، چوبیں کو اپنی زندگی میں لے آؤ۔ آئی ریئلی ڈونٹ کیئر۔ لیکن میں جب تک یہاں ہوں، ایک ہی گھر میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ اینڈ آف ڈسکشن۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ بیڈ پہ جا بیٹھی تھی۔ لحاف اس نے سر تک تان لیا تھا۔ اب خاموشی سے سانسوں کو گن رہی تھی۔ اپنی دھڑکنوں کو گن رہی تھی۔ دل رو رہا تھا۔ دل تڑپ رہا تھا۔

موت کی سی خاموشی میں اسے دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ کمرے میں اب اس کے سوا کوئی نہ تھا۔

اس کی وہی سسکیاں گونجنے لگیں۔ جانے اس نے صحیح کیا تھا یا غلط۔ مگر اب وہ رو رہی تھی۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت دس بج رہے تھے۔ پہلے پہل ذہن میں کچھ نہیں آیا۔ پھر خیال ابھرے۔ وہ تمام باتیں یاد آئیں، اپنی بحث، سوال اور فارس کا رویہ یاد آیا۔ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا فارس [illegible] کی ٹائی باندھ رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات نارمل تھے۔

وہ اس کی تیوری دیکھ کر حیران ہوئی کہ آج اس کا آف تھا۔ مگر "آتے ہی کام سے کام رکھو" اصول کے تحت اس نے پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔

"کیسی طبیعت ہے؟" معمول کی طرح وہ آج بھی پوچھ رہا تھا۔ نہ لہجہ سرد تھا، نہ تاثرات میں کمی تھی۔

وہ روز جواب دیتی تھی، آج خاموش رہی۔

بال کی بات یاد آتے ہی اس نے پھر قدم بڑھا۔ پھر سامنے صوفے پر بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔

"ضروری کام سے چند دنوں کے لیے باہر جا رہا ہوں۔"

"مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" اس کا وہی تھا اکھڑ لہجہ۔ حالانکہ اعتراض اسی پر کرتا تھا کہ اب کیوں بتا رہے ہو۔

"نہیں بتا سکتا؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"پہلے کبھی بتاتے تھے جو اب بتا رہے ہو؟" اب کے رخ بدل کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"پہنچ کر کال کروں گا۔" وہ اس کا سوال نظر انداز کیے اپنی کہے گیا۔

"میں ریسیو نہیں کروں گی۔" وہ واضح کہہ گئی۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی تو اس کی مسکراہٹ بھی نہیں دیکھ سکی تھی۔

"میں میسج کروں گا۔"

"میں نہیں پڑھوں گی۔" چہرے کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ اسے فارس کی باتوں پر اب غصہ آ رہا تھا۔ وہ ایسا کیسے ظاہر کر رہا تھا جیسے کل رات ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ کوئی لڑائی یا بحث نہیں ہوئی تھی۔

"یعنی انتظار تو کرو گی۔"

"میں تمہیں بلاک کر دوں گی۔" وہ واضح ہو گئی۔

"وہ تو تم ویسے بھی ٹھیک ہو۔ میں ایسے ہی [illegible] رہا تھا۔" وہ مسکرایا۔

وہ اچھا خاصا تپ گئی تھی تحمل سے بیٹھی ہوئی۔

وہ چند لمحوں تک اسے مسکراتی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

"ہرگز نہیں، تم سے نہیں کہوں گی۔"

"تو وہ وجہ ہونے سے بچانے کے لیے بھی نہیں؟"

"کیا مصیبت ہے۔" وہ بے طرح سے چڑ کر جھنجھلائی اور اٹھنے کا ارادہ ترک کر کے دوبارہ لحاف میں گھس گئی۔

اور وہ مسکرا دیا۔ جسم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے۔ اس کی موجودگی کو اپنے آس پاس ہوا کی طرح محسوس کرتے ہوئے۔

ہاں مگر اس میں کتنے سوال تھے جو آنکھوں میں ہوتے تھے۔ اس کا آف کرنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے گاڑی تک جانا۔ اور وہ خود سے کئی باتیں شروع کر دیتا۔ اور پھر چلتے رہتے۔ [illegible] بہت سے سوالات۔ اس نے پھر ان بہت سے خیالات کو جھٹک دیا۔

"اللہ حافظ۔" اس نے کہا۔ جنت کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ کچھ دیر بعد قدموں کی آہٹ کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔

کھڑی سانس لے کر لحاف ہٹایا۔ کچھ دیر تک اپنی جگہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر بالکنی میں جا کھڑی ہوئی۔ اسے فارس وجدان گھر کے گیراج میں گاڑی کی طرف جاتا نظر آیا۔

کسی احساس کے تحت وہ رک کر مڑا۔ جنت کھڑکی سے پردے کی اوٹ میں ہو گئی۔ دیکھے بنا جان گئی کہ وہ اسی طرف ہی دیکھ رہا ہو گا۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ اس نے سر نکال کر ایک بار پھر جھانکا۔

پچھلی نشست کا شیشہ نیچے ہوا تھا۔ گاڑی کے چلتے ہی ڈرائیونگ سیٹ سے ہاتھ باہر نکلا۔ فارس نے ہاتھ ہلا دیا۔

اس نے کڑھ کر پردہ برابر کر دیا۔

یہ تھیں وہ اس کی ہر حرکت کا کیسے اندازہ لگا

لیتا تھا؟ جب وہ اکر واش روم میں گھس گئی تھی۔

☆☆☆

وہ پریشان تھی۔ اس کا سر بالکل بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کبھی خود پر غصہ آرہا تھا اور کبھی فارس پر۔ کبھی اپنی سوچ الجھانے لگتی اور کبھی فارس کا رویہ سلگانے لگتا۔ ناشتے کے بعد لان میں ٹہلتے ہوئے وہ خود کو مطمئن اور پرسکون ہونے کی کوشش کرتی رہی اور اس کوشش میں بری طرح سے ناکام ہوتی رہی۔

اس پر نظر جمائے انسی نے کوئی ساتویں بار ٹھنڈی آہ بھر کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے سر اندر کیا تھا۔ دو بار وضاحت کے لیے جا چکی تھی۔ تین بار آکر ایم سوری والے کارڈ لکھ کر پھینک چکی تھی۔ چار بار وہ سے کان پکڑ کر بھی دکھا چکا تھا مگر اس کی آپی... وہ تو کچھ ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

ایک لمبی سی ٹھنڈی آہ بھر کر اپنا سر کھڑکی پر رکھا اور بڑی بوڑھیوں کی طرح ٹھنڈی آہیں بھرنے لگی۔

اور تب ہی اسے گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ گیٹ کھلنے کے ساتھ ہی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ جھٹ سے اٹھ کر کھڑکی میں آگئی۔

پورچ میں سفید پراڈو کھڑی تھی۔ عدیل احمد باہر نکل رہا تھا۔

"خدایا یہ کیا کررہا ہے یہاں۔"

گاڑی سے ہٹ کر موصوف نے سیدھا لان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ جھٹ سے پردے کی اوٹ میں ہو گئی۔ دوبارہ محتاط ہو کر سر نکالا تو وہ لان سے ہوتے ہوئے صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ ہاتھ میں شاید کوئی فائل تھی۔

اس نے گہری سانس لے کر قد آدم آئینہ دیکھا۔ چہرہ بالکل صاف اور نکھرا ہوا تھا مگر اسے اپنی اس رات والی شکل ہی نظر آرہی تھی۔ اور یہ آج نہیں ایک ہفتے سے ہو رہا تھا۔

"چلو اچھا ہوا جنت آپی تو نیچے ہیں۔ اس طرح مجھے اس کے سامنے تو نہیں جانا پڑے گا۔" اسے تسلی ہوئی۔

کچھ نہیں رہا تھا اس دن۔ عدیل احمد کا چہرہ یاد آیا تو اپنا چہرہ غصے سے سرخ ہوتے لگا۔ میں جانے لگے دروازے پر دستک ہوئی۔ جا کر کھولا تو سامنے ملازمہ کھڑی تھی۔

"آپ کو چھوٹی صاحبہ بلا رہی ہیں۔"

"کیا... کون چھوٹی بیگم صاحبہ؟" اس کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

ملازمہ نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کی عقل پر شک گزر رہا ہو۔

"جنت صاحبہ۔"

وہ گھبرا گئی۔ "مجھے؟" انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں آپ کو۔"

وہ پیغام دے کر چلی گئی اور انسی کی تو گویا جان پر بن گئی۔

"وہ تو ناراض ہیں مجھ سے۔ کیوں بلا رہی ہیں آخر۔" اسے رونا آگیا۔ ایک بار پھر آئینہ دیکھ کر تسلی کی کہ کہیں "گنہگار، مجرم، سمگلر" وغیرہ کے نشان تو نہیں۔ پھر اپنے تاثرات پر قابو پاتی ڈرائنگ ہال کی طرف بڑھ گئی۔

مرکزی دروازے سے لاؤنج تک وہ کیسے گئی یہ صرف وہی جانتی تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا؟" بہت ادب کے ساتھ جنت کے پاس مؤدب سی جا کھڑی ہوئی۔ سامنے عدیل احمد براجمان تھا۔ ملازمہ سامنے مشروب پیش کررہی تھی۔ انسی نے بھولے سے بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔

"تم میری منتظر ہو؟" جنت حیران تھی۔ عدیل مسکراہٹ دبا گیا۔

انسی کی شکل دیکھنے لائق تھی۔ چونکہ رخ جنت کی طرف تھا تو آنکھوں ہی آنکھوں میں اور زبان ہلا کر اسے اشارے سے کیا اور بھگتنے لگی۔ اس بے چاری عدیل کے سامنے تو بالکل نہیں کرنا چاہ رہی تھی وہ بے عزتی وہ اور نہیں کر سکتی تھی۔

"اقصیٰ!"

"نن... نہیں وہ... میں..." وہ گھبرا کر وہیں دروازے کو
پکڑے کھڑی رہی۔ اسے ہی کی ٹھنڈک میں پیشانی
پسینے سے تر ہو رہی تھی، ہونٹ کاٹتے ہوئے۔ جنت نے گہری
سانس لے کر اسے دیکھا۔ حالانکہ چاہا تو اس نے تھا
کہ اس کی کلاس لی جائے مگر۔۔۔

"جیسا کہ سر عدیل! آپ جانتے ہیں، میں
اپنی بھتیجی کے مشورے کا سارا انتظام خود ہی کرتی۔"

اقصیٰ کی جان میں جان آ گئی۔ ممنون ہوتی
نگاہوں سے اپنی پھپھو کو آپ آ کر دیکھا۔ عدیل
جو بہت ہی مسکراہٹ کے ساتھ مڑ گیا۔

"بیٹھو۔" آنکھوں سے اشارہ دیا تو وہ جنت
کے برابر میں ٹک گئی۔ کیٹلاگ جھکائے بیٹھے۔ کیا
پینٹنگز اور فرنیچر کی تصاویر تھیں۔ اقصیٰ کی آنکھیں چمکنے
لگیں۔

"آپ دیکھ کر مجھے بتا دیجیے گا۔" عدیل
اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب اجازت چاہتا
ہوں۔" کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن
اس سے پہلے، کیا میں مسز شیرازی سے مل سکتا
ہوں؟"

"میں ابھی بلا کر لاتی ہوں۔" جنت اٹھ کر
چلی گئی۔ عدیل نے اقصیٰ کی طرف دیکھا جو کیٹلاگ
پر نظریں گاڑے یوں بیٹھی ہوئی تھی جیسے دنیا کا کوئی
مشکل ترین کام اس کے حوالے کر دیا گیا ہو اور جسے
سرانجام دیے بغیر دنیا ختم ہو جانی ہو۔

"کیسی لگی آپ کو؟"

کسی ان کہی کے ساتھ بول رہی۔

"اس کے ساتھ میچنگ لیمپ شیڈ بھی ہے۔"
عدیل نے فرنیچر کیٹلاگ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ
ماڈرن اور ... سپلائی کرتی ہے۔ تھوڑا مہنگا
ہو سکتا ہے۔ بٹ اس میں ووڈ اینڈ اسٹیل ورک بھی
استعمال کیا ہے۔"

اور اقصیٰ کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما
جائے۔

"آپ اپنے شوہر سے اپنے بارے میں بات کیجیے۔" مگر
انکار کر دیا، مگر جس طرح اس نے اپنی مسکراہٹ ضبط
کی اسے احساس ہوا وہ ابھی بھی اس کا وہی چہرہ دیکھ
رہا ہے۔

اللہ کرے اس کا پاؤں پھسلے، کیچڑ میں گرے۔
چیزوں سے الجھے۔ اقصیٰ کے چہرے سے شاک کے
سائے تپ کر رہا۔

"آپ ان سے مل سکتے ہیں۔" جنت نے آ کر
کہا تو وہ ... مسز شیرازی کے ساتھ اسٹوڈیو میں چلا گیا۔
اقصیٰ نے کیٹلاگ اٹھا کے ساتھ لگائے۔
پھول سے پھول کی چیز کی جگہ کوئی پڑی وہ پڑاؤ
کے قریب گئی، اپنے پیچھے ایک شمع روشن کر دی کر اس
نے پھلکنے لگا۔

"میں نے کون سا آپ کی میک اپ کرنا
ہے۔" پھلکتے ہوئے وہ مڑی اور کہا۔ "بیکار کا
ہوا چاہیے ہیں۔" اس نے ہاتھ سے بالوں کو جھٹک کر
اٹھ گئی۔

☆☆☆

مسز شیرازی کی مدد سے اپنی پسند کا فرنیچر ٹک
کر کے عدیل اور ... بھیجنے کے بعد جب وہ فارغ
ہوئی تو فارس کا میسج آ گیا۔ وائس ریکارڈنگ کی
تھی۔ وہ جو ... ہوئی کہ اس نے وہ میسج کھول کر ...
پوری کر کے وہ آرام سے ... سن سکتی تھی مگر
یہاں تو ... ہونے کے بجائے ریکارڈنگ سنا ضروری
ہو گیا تھا۔ اور ریکارڈنگ تو ہر حال میں اس نے دو دی
ہے کہ اسے سنا جا سکے۔

موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ میگزین کی ورق
گردانی کرنے لگی۔ اسے فارس و جہان کو بالکل اسی
طرح سے نظر انداز کرنا تھا جیسے وہ کرتا تھا۔
مگر ... کہ اس نے کیا کہا ہوگا، پہلے
کوئی بھی کام نہیں کرنے دے رہا تھا۔ فیشن میگزین
کی رنگ برنگی تصاویر سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی۔
میگزین رکھ کر موبائل اٹھایا۔
اس کا ایک وائس میسج تھا، جس کی اس

وہی اکلوتی ممبر اور اکلوتی ایڈمن تھی۔ فارس کی
ریکارڈنگ بھیجنے کے بغیر اسی گروپ میں بھیج دی۔ پھر
کلک کرکے سننا شروع کر دیا۔
"جانتی ہوں تم مجھے سن رہی ہو۔ یہ ٹرک مجھے
بھی آتی ہے۔"
زمر ہڑبڑا کر موبائل بند کر کے پرے رکھا جیسے وہ
ابھی کے ابھی موبائل سے نکل آئے گا۔
"مصیبت!" ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ موبائل اس
نے کمرے میں ہی چھوڑ دیا۔
رات گئے تک فارس کی کئی آڈیوز کی
ریکارڈنگز اور کئی تصاویر موصول ہوتی رہیں۔ مگر اس
نے اس کا پیغام تک ان دیکھا چھوڑ دیا۔ بالکل ویسے ہی
جیسے وہ ان دیکھی رہ جاتی تھی۔

☆☆☆

ایوارڈ گیلریز کیوں کے سامنے وہ صوفے پر
ٹانگیں اوپر کیے بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ کاغذات بغل پر
بکھرے تھے اور کچھ اس کے برابر میں صوفے پر
رکھے تھے۔ چند ایک ہاتھوں میں تھے جنہیں وہ غور
سے پڑھ رہی تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھوں کا
تاثر بدل سا جاتا تھا۔ کبھی شمع جلتی تھی، کبھی ختم ہو جاتا
تھا۔ وہ ایک ایک لفظ، ایک ایک جملہ، ایک ایک
پیغام سمجھ کر پڑھ رہی تھی۔
اس نے سر اٹھا کر مسز شیرازی کو دیکھا۔ وہ
کیوں کی طرف متوجہ تھیں مگر کوئی بھی آسانی سے بھی
دیکھ سکتی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک انوکھی سی
خوشی دے رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کھوئی ہے۔ جل رہی
ہے۔
"آپ اس طرح آیات کو کیسے لکھ سکتی ہیں؟"
وہ بے ساختہ بول گئی۔
وہیل چیئر کو حرکت دیتے ہوئے وہ کچھ آگے
ہوئیں۔ اس کے قریب۔ پھر ہاتھ بڑھا کر کچھ
صفحات اٹھائے۔ لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھر کر
معدوم ہو گئی۔
جو صفحہ ہاتھ میں تھا، وہ مکمل زرد رنگ کا تھا۔ زرد
رنگ کے صفحے پر وہ بیشتر آیات لکھا کرتی تھیں۔ کچھ
صفحات پر ان کا ریسرچ ورک ہوتا تھا۔ جیسے بڑی
بڑی ہیلپنگ پوائنٹس، وہ بات جو تحقیق کا حاصل
ہوتی تھی۔ اور پھر یہ صفحات فائل میں ایک ترتیب
سے لگے ہوتے تھے۔
"تمہارے خیال سے ایک عورت کے لیے
سب سے بڑی وہ آزمائشیں کون سی ہو سکتی ہیں؟"
ان کا سوال سن کر اس کی نظریں بے ساختہ اس
زرد صفحے کی طرف اٹھ گئیں جو انہوں نے اس کی
جانب بڑھایا تھا۔ اس نے صفحہ تھام لیا۔
مسز شیرازی نے کیا پوچھا تھا؟ وہ کیا لکھ رہی
تھیں جسے انہوں نے ادھورا چھوڑ دیا تھا؟ کیا کچھ
رہ گیا تھا جو انہیں آتی ہو اور دل اتنا بھر گیا تھا۔
صفحے پر دو آیات لکھی تھیں۔ ایک آیت ام موسیٰ
کی تھی جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق کے
حوالے کیا تھا۔ دوسری آیت مریم علیہ السلام کی تھی
جب انہیں درد زہ اٹھا۔ دونوں کو "لا تحزنی" (غم نہ
کرو) کہا گیا تھا۔ اور دونوں ہی اس وقت تکلیف کی
انتہا سے گزر رہی تھیں۔
"کمزوری، بے بسی اور اولاد کا غم۔" ذہن
نے فوراً ہی کام کیا تھا۔ اس نے بے ساختہ سر اٹھایا۔
"بس اللہ کا یہی پیغام ڈھونڈ رہی تھی میں۔ لا
تحزنی (غم نہ کرو)... وہ جانتا ہے ایک عورت کا دل
کتنا کمزور ہے۔ خصوصاً ایک ماں کس تکلیف سے
گزر رہی ہے۔ بس وہ جان سکتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی
جان ہی نہیں سکتا ہے۔"
وہ کہہ کر خاموش ہو گئیں اور جنت نم بھری
نگاہوں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ جوان اولاد کی موت
کا غم سہتی ہوئی ماں۔ اسے مسز شیرازی کے بیٹے اور
پھر یتیم پوتے کا خیال آیا۔ بے اختیار دل میں کرب
محسوس کیا۔
وہ ان بیٹے کے اس معاملے میں بالکل نہیں آنا
چاہتی تھی مگر۔
"آپ فارس سے بات کیوں نہیں کرتیں؟"

"کس بارے میں؟"

"کپڑے بنانے کے بارے میں۔"

مسز شیرازی نے رک کر اسے دیکھا۔ "یہ بات اس سے کرنے والی نہیں ہے بیٹا۔"

وہ ہنس دی۔ مسز شیرازی کو وہ پیاری لگی۔ وہ پہلی بیٹی کی طرح لگتی تھی۔ اس طرح کا ان کا احساس بیٹے کو بھی نہیں تھا۔

"وہ اس کا ہوتا ہے؟ کیا آپ کی بہو ہے۔"

مسز شیرازی اٹھ کر چلی گئیں۔

"وہ آپ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ آپ کو ان کی کیا [illegible] ہے۔" وہ اٹھ گئی۔ یہ معاملہ اس کا نہیں تھا۔ یہ جنت اس کی نہیں تھی۔ مسز شیرازی [illegible] بالکل [illegible] بھی [illegible] وہ جنت [illegible] اپنے کمرے میں [illegible] کے خلاف [illegible] عبادت میں [illegible] تھی۔ انہوں نے [illegible] مکمل [illegible] کر دیا تھا۔

وہ [illegible] قرآن کے پاس آ گئی۔

"[illegible] آپ [illegible] کر دو تو۔" جنت نے قرآن [illegible] "میں [illegible] آپ [illegible] ہے۔"

وہ [illegible] نے [illegible] کی۔

"آپ اس پینٹنگ کو مکمل کر لیں جلدی۔ کیونکہ [illegible] اپنے روم میں [illegible] کے اوپر کی پینٹنگ [illegible] ہے۔"

انہوں نے [illegible] کو [illegible] اٹھایا۔ وہ جیسے [illegible] سے [illegible] تھی۔

جنت [illegible] پینٹنگز دیکھنے لگی۔ ان میں سے ایک تو اس نے اپنے کمرے کے لیے نکال لی تھی۔ تیسری کا چناؤ [illegible] رہی تھی۔ اپنے کمرے کے [illegible] کے حساب سے وہ رنگ منتخب کرنے [illegible] سکی [illegible] تھی۔

"مسز شیرازی کا کیا ہوا جنت؟" کچھ یاد آ جانے پر انہوں نے پوچھا۔ جنت نے [illegible] دیکھا۔ خفیف سی ہو کر [illegible] "ابھی سوچ میں ہوں۔ جلد بھلاؤں گی۔"

مسز شیرازی مسکراتے ہوئے بچوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔ برش حرکت میں تھا۔

کچھ یاد آ جانے پر جنت ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کی سورہ الطلاق میں بھی تو عسر یسرا کی ایک آیت ہے۔"

"عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا۔" (طلاق: 7)۔

سورہ الشرح کے برعکس اس آیت میں عسر کے ساتھ الف اور لام نہیں ہے۔ اور اس میں "بعد" ہے "مع" نہیں ہے۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں اگر [illegible] یہ [illegible] مشکل اور آسانی والی آیت سورہ الطلاق میں بھی ہے۔"

"جی" جنت بولی۔

انہوں نے برش رکھ دیا۔ وہ وہاں سے ہاتھ صاف کیے، پھر [illegible] سے قرآن اٹھایا۔ [illegible] کھولا۔ جنت ان کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اب دیکھو، سورت کا نام الطلاق ہے۔ [illegible] ہر ایک مصیبت [illegible] ایک [illegible] کہتے ہیں۔ اس ایک لفظ میں کتنی [illegible] کا احساس ہے [illegible] تکلیف، [illegible] دکھ، صبر کا [illegible] حالات کی [illegible] معاشرے کی [illegible] آتا ہے۔ لیکن جس سورت کا نام الطلاق ہے اس سورت میں [illegible] کی [illegible] طرف، وہ امید اور ناامیدی کی [illegible] ہے۔ [illegible] احکامات ہیں۔ اور ان احکامات کے ساتھ [illegible] ہے۔ زندگی کے حوالے سے ایک [illegible] پیغام ہے۔ [illegible] لوگوں کے لیے امید ہے۔"

ایک لمحہ توقف کر کے انہوں نے جنت کو دیکھا جو بہت توجہ اور غور سے باتیں سن رہی تھی۔

"میں سوچا کرتی تھی کہ قرآن میں ہر انسان کے لیے ہر کیفیت، ہر حالات کے حوالے سے کیا

یہ امید ہے، اجر کا وعدہ ہے۔ جیسے ایک ماں کے
لیے موسیٰ کی والدہ کی آیت۔
کہ اللہ جیسے دل کو جوڑ رہا ہے۔ اور جیسے انہیں
نصیحت کرتا ہے کہ وہ فکر نہ کریں۔ بیماری کے وقت
ایوب علیہ السلام کی دعا۔ مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ
السلام کی پکار۔ یعقوب علیہ السلام کی فریاد۔ زکریا
علیہ السلام کی اولاد کی خواہش۔ اور مریم علیہا السلام کی
پاکیزگی کا وعدہ۔ اسی طرح اور بھی بہت سے
معاملات ہیں۔ لیکن ایک مظلوم طلاق یافتہ۔ مرد یا
عورت کے لیے کیا ہوگا؟“

جنت دم سادھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ انہیں سن
رہی تھی۔

”مشکل اور سخت حالات کی تسلی اور امید تو
قرآن میں ہر جگہ ہے۔ آزمائش کا ذکر بھی ہے۔ اجر کا
وعدہ بھی ہے۔ لیکن میں طلاق کے حوالے سے اس
امید اور تسلی کو اس صورت سے دیکھنا چاہ رہی تھی۔ جو
خصوصی اسی ایک کے لیے نازل ہوئی ہے۔“

وہ مسکرا دیں۔

”آپ دیکھو۔ سورۃ الطلاق کی بارہ آیات
ہیں۔ ان میں سے جو آیات کے اختتام ہیں۔ وہ ٹوٹے
ہوئے گمان (یقین) انسان کے لیے بے امید
بھرے ہوئے ہیں۔“ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اب وہ
جواب اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

”اگر ہم تفسیر کے ساتھ پوری آیات پڑھیں
گے تو ہمیں اس کے مفہوم میں اسلام کے ساتھ
نظر آئے گا جو آیت میں طلاق، عدت،
رضاعت وغیرہ کے حوالے سے واضح موجود ہے۔
لیکن جب ہم آیت کے آخر میں اس ایک مخصوص
حصے پر غور کریں گے تو ہمیں زندگی اور اپنے حالات
کے حوالے سے ایک مکمل اور منفرد پیغام نظر آئے
گا۔ خصوصاً ایک طلاق یافتہ کے لیے۔“ رک کر اس
کی جانب دیکھا۔ ”اور چونکہ اس سورت میں تقویٰ کا
لفظ بار بار استعمال ہوا ہے تو ہم اس ایک لفظ کو بھی اپنے
ذہن میں رکھ کر گہرائی میں اتریں گے۔“

قرآن پاک میں سورۃ کھول کر سامنے رکھ کر
بالترتیب وہ آیات کی نشاندہی کرنے لگیں۔

”پہلی آیت کے آخر میں لکھا ہے۔“ اور تم کیا
جانو شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر
دے۔“ (سورۃ الطلاق، آیت 1)۔

”جب آپ کو اپنی زندگی اندھیر لگ رہی ہو۔
سب ختم ہو چکا ہو اور دور دور سے کہیں بھی امید نظر
آئے اور نہ آسانی کا کوئی سبب دکھائی دے رہا ہو۔ تو اس
وقت اللہ آپ کے لیے آپ کی زندگی میں کچھ نیا کر
سکتا ہے۔ ایک لمحے میں سب بدل سکتا ہے۔ تم
رشتوں میں۔ گھر میں۔ معاش میں۔ صبر میں۔ اور
خواب حقیقت میں۔ لیکن شرط ہے آپ کے اندر
”تقویٰ“ ہو۔“ روانی سے بولتے ہوئے وہ ایک
لمحے کو رکیں۔

”یہ تقویٰ کن معاملات میں ہونا ہے؟“
ایک خالق کے معاملات میں۔ اور اس کی مخلوق
کے معاملات میں۔ رشتہ چاہے اللہ کے ساتھ ہو یا
اس کی مخلوق کے ساتھ۔ اسے نبھانے کے لیے آپ
کی سوچ، آپ کی نیت، آپ کے اعمال بہت اہمیت
رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان ہی سے اللہ کی عدالت میں اس
بات کا تعین ہوتا ہے کہ آپ ظالم ہیں یا
مظلوم؟ آپ حد میں رہتے ہیں یا حد سے تجاوز کرتے
ہیں؟ آپ نے اپنے فرائض بھی پورے کیے ہیں یا
صرف اپنے حقوق کا ہی مطالبہ کرتے رہے ہیں؟“

جنت کمال کی تاثیر آیات پر غور کر رہی تھی۔
قرآن کے پیارے پیارے بول گرہیں کھول رہے تھے۔ سینے کی گھٹن
دور ہو رہی تھی۔

”پھر دوسری آیت کے اختتام پر ہے۔
”اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے
نجات کی صورت نکال دیتا ہے۔“

مخرج۔ باہر نکلنے کا راستہ۔ اس تنگی۔ پریشانی۔
غم یا مصیبت کے دائرے سے باہر کا راستہ۔ مخرج۔
ایگزٹ۔ آپ اس دائرے۔ اس آزمائش۔ اس
مصیبت سے ایک لمحے میں باہر ہوں گے۔ یہاں بھی

تقویٰ پر زور دیا گیا ہے۔"

تیسری سے کہہ کر اگلی آیت پر رکھا۔

"تیسری آیت میں ایک ساتھ کئی حکم ہیں۔

"اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے سو وہ اس کو کافی ہے۔ بے شک اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک پیمانہ مقرر کر رکھا ہے۔" (3)

"شادی، محبت، خوشی، سکون، عزت، دولت، یہ رزق ہے۔ اور جو رزق اپنے صاحب تک اللہ کی مرضی سے ہر حال میں پہنچتا ہے جنت۔ اور وہاں سے پہنچتا ہے جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔ بات صرف اللہ پر توکل کی ہے۔ امید کی ہے، یقین کی ہے۔ آپ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر اللہ کی مرضی سے قدم اٹھائیں گے تو اللہ اپنا حکم ضرور پورا کرے گا۔ جہاں آسانیوں کا وعدہ ہے وہاں آسانیاں ضرور ملیں گی۔" رک کر کہا۔ "قدر" سے لکھتا ہے۔

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے کام آسان کرتا ہے۔ (4)

اس میں "تیسیر" استعمال ہوا ہے۔ الف کے ساتھ۔ یہاں

"تیسیر" کو تقویٰ سے جوڑا گیا ہے۔"

اب آیت نمبر پانچ کی آیت کی۔

"جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دیتا ہے اور اسے بڑا اجر بھی دیتا ہے۔" (5)

اب ذرا ہم رک کر اس پر غور کرتے ہیں۔ تقویٰ کے ذریعے سیئات کاٹ جاتا۔ برائیاں، گناہ، پاپ بھی۔ بعض دفعہ ہم زندگی کے مشکل ترین حالات سے اسی لیے گزر رہے ہوتے ہیں تاکہ ہماری تمام سیئات معاف ہو سکیں۔ اور جب سیئات ختم ہو جاتی ہیں تو پھر "اجر" رہ جاتا ہے۔ اور یہ اجر صرف آخرت سے جڑا ہوا نہیں ہوتا جنت۔ یہ دنیا میں بھی ملتا ہے۔ آسانیوں کی صورت۔"

پھر پہلی اور چھوڑ کر ساتویں آیت کے اختتام پر ہے۔

"عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا۔" (7)

اور جیسا کہ تم نے کہا۔ یہاں "بعد" ہے۔ "مع" نہیں ہے۔ مکمل استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے کہ معلوم بات ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔ تم نے پوچھا کوئی اور "مع" ہے؟" سوال کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

جنت کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

"اور دیکھو ان تمام لفظوں کے آخر میں الف ہے۔ امرا، یسرا، قدرا، اجرا، یسرا سب کے آخر میں الف ہے۔"

اور اس نے سمجھا کہ جنت ایک لمحے کے لیے بالکل ساکت ہو گئی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کوئی سورت اس صورت سے مل سکتی ہے۔"

"میں تیری سمجھ کی تھی۔ جب تم "تیسیر" کو جان لو گی تو سارے الفاظ تمہیں بہتر سمجھ میں آ جائیں گے۔"

بات ختم ہو گئی۔ جنت کی نگاہیں صفحے پر آیات پہ اور حروف پہ ٹھہری رہ گئیں۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"زندگی کے دیگر تلخ حالات کی طرح طلاق بھی ان کو قوت سے آئی۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک طلاق یافتہ کو زندگی اور رشتوں کے حوالے سے کوئی امید نہیں رہتی۔ مگر جس کے ہاتھ میں ہماری جان ہے وہ مالک الغیب ہے۔ ہماری خوشیاں اور ہمارا رزق ہے۔ وہ دلاتا ہے۔ اسی سورت میں۔ جس کا نام الطلاق ہے۔"

اپنے آنسوؤں کے غم سے لڑتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"جب مجھے طلاق ہوئی تو مجھے لگا تھا میری پوری زندگی اب ختم ہو گئی ہے۔ میری حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ اب میں ساری عمر اکیلی ہی رہ جاؤں گی یا شاید کسی بڑی عمر کے شخص سے میری شادی کر

دی جائے گی۔ خاندان کے لوگ باتیں کرتے تھے۔ مجھے دوسروں کی آنکھوں میں اپنے لیے عزت نظر نہیں آتی تھی۔ میرے اندر صبر اور برداشت کے باوجود سب قصوروار میں ہی نظر آرہا تھا، اور میں۔"

وقت جیسے پلٹ آیا تھا... وہ پھر اسی ٹینشن زدہ ماحول میں قید ہو گئی تھی۔

"میں ایک کمرے میں بند ہو گئی۔ مایوس ہو گئی۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میں اپنی طلاق کے بعد کئی بار مر گئی تھی۔" اس نے کہا۔

"تو پھر کیا ویسا ہوا، جیسا تم نے سوچا تھا؟" انھوں نے نرمی سے پوچھا۔ جنت کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ "میں نے اس زندگی کا تو تصور ہی نہیں کیا تھا۔"

"یہی تو مین پوائنٹ ہے سورۂ الطلاق کا۔" انھوں نے کہا۔ "یہی تو امید اور یقین ہے جسے ہم نے اپنے مشکل ترین حالات میں تھام رکھنا ہے۔" لڑکیوں کی آنکھوں میں جو چمکنے لگیں۔

"مجھے ایک بات بتاؤ۔ وہ ساری کی ساری جو سوچ، خیال ذہن میں تھے اور ناامیدی تم نے کہاں سے لی تھی؟"

جنت نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا۔ سوال واضح تھا۔ وہ بے طرح سے چونک گئی تھی۔ کہ بات صرف ان سرگوشیوں کی نہیں تھی جو شیطان اس کے اندر کرتا تھا۔ بات ان سرگوشیوں کی بھی تھی جو انسانوں کے اندر سے اس تک پہنچی تھیں۔

"ناکام رشتے سے آزاد ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اب آپ کم تر ہو چکے ہیں یا آپ کا رزق، آپ کے حصے کی بہتری آپ کے حصے کی خوشیاں آسمان کی طرف اٹھا لی گئی ہیں۔ نہیں..... بالکل بھی نہیں، جو آپ کا ہے، وہ آپ کا ہی ہے۔ پوری دنیا مل کر بھی آپ کو اس نعمت سے محروم نہیں کر سکتی جو اللہ نے آپ کے لیے لکھ دی ہے۔ آپ کی شادی بھی ہو گی۔ آپ کا گھر بھی آباد ہو گا۔ لوگوں کی باتیں، ان کے طنز، ان کے طعنے، ان کی نگاہیں، ان کے سوال، ان کے اشارے، آپ سے آپ کا رزق نہیں چھین سکتے۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ وہ جیسے ابھی جنت سے مخاطب تھیں جو اپنی طلاق پر ایک بند کمرے میں غم زدہ مایوس بیٹھی تھی۔ اس جنت سے جو بے سہارا کے "تمہی" سورۂ الطلاق تک پہنچی تھی... جو اپنی زندگی کے ہر پہلو سے ہارے ہوئے سے ایک مثبت پیغام، ایک امید سے جوڑ رہی تھی۔

"لوگوں کے ہاتھوں میں آپ کا نصیب نہیں ہے جنت! وہ آپ کے "مالک" نہیں ہیں۔ وہ آپ کے "رازق" نہیں ہیں۔ انھوں نے آپ کو تخلیق نہیں کیا ہے۔ سو انھیں اس بات کی اجازت ہی کیوں دی جائے کہ وہ آپ کے اندر یہی کام سر انجام دیں؟ آپ سے آپ کے خواب چھین لیں؟ آپ کو آپ کی اپنی نظروں میں بے وقعت کر دیں؟ آپ نے صرف ایک کو دیکھنا ہے، صرف اللہ کو دیکھنا ہے اور صرف اللہ پر ہی بھروسا رکھنا ہے جس نے آپ سے خوبصورت ساتھیوں کا وعدہ کیا ہے۔"

ان کا ایک ایک لفظ اس کی گہرائیوں میں اترتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

مسز شیرازی نے قرآن اس کی ہتھیلیوں پر رکھ دیا تھا۔

"طلاق اس بات کی علامت ہے آپ کا ایک تعلق، ایک رشتہ آپ کی اپنی بہتری کے لیے ختم ہو چکا، اس بات کی نہیں کہ آپ ختم ہو چکے۔" انھوں نے نرمی سے کہا۔

"ہر انتہا ہر ایک نئے آغاز سے جڑی ہے۔ یہ ہم ہیں جو انتہا خود کر لیتے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جن کا ہماری زندگی پر کوئی اختیار نہیں۔"

تمام رنگوں کو ایک دوسرے میں ضم کر کے ایک نیا انوکھا رنگ تخلیق کیے وہ اپنی پینٹنگ کو مکمل کرنے

کی تھیں۔

جنت سر جھکائے سننے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"سورۃ یٰس کی بھی سورت کو دیکھتے ہوئے اس بات پر بھی غور کرلی ہوں کہ اس میں اللہ کی کن صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے کہ اس میں "اللہ" اور "قدیر" (قدرت رکھنے والا) استعمال ہوا ہے۔ یہ بھی ایک نشانی ہے۔ سورۃ کی باقی آیات پر سوچو تو شاید یہ بھی سمجھ میں آئے گا کہ جو حد سے تجاوز کرتے ہیں، احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں تو ان کے حصے میں شدید عذاب آتا ہے۔ سو اس بات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی کسی پر ظلم ڈھا کر خوش رہ سکتا ہے یا کسی کو برباد کر کے اپنی زندگی آباد کر سکتا ہے۔"

بات جیسے اب ختم ہو چکی تھی۔ مگر وہ جانتی تھی مسز شیرازی بہت کچھ کہہ رہی ہیں اور وہ سن رہی ہے۔ کئی بار اس سورت کو پڑھا تھا اس نے اور کئی ہی بار اسے صرف اسلام کے حوالے سے جانا تھا۔ کبھی بھی اس کی نظر ان آیات پر نہیں رکی تھی۔ اس مقام پر۔ اس امید پر نہیں گئی تھی۔

"آپ تو ریک تک مجھے بیرا کے معنی بتانے والی ہیں۔" خوش گوار لہجے میں پوچھے تو وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

"ان شاء اللہ بہت جلد! پھر آپ کو بس مجھے اپلائی ... دینا ہوگا اور میں آپ کے پاس سے مل جاؤں گی۔ اور صرف اتنا نہیں۔ میں آئے یہاں کی لاؤں گی۔ دیکھنا آپ۔"

وہ ان سے لپٹ کر کہہ رہی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔ مگر آنکھوں کی نمی واضح رہتی ہی تھی۔

٭٭٭

وہ جرمنی سے تیسرے دن ہی آ گیا تھا۔ جنت اس کے جلدی آ جانے پر حیران ہوئی مگر کوئی سوال نہ کیا۔ آج کل ویسے بھی وہ اپنے کمرے کی سیٹنگ میں مصروف تھی۔ فرنیچر تقریباً سیٹ ہو چکا تھا۔ اب بس اسے کمرے کو رہنے کے قابل بنانا تھا۔ کچھ سامان رکھنا تھا، کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔

ابھی بھی وہ اشفی کے ساتھ الماری میں کپڑے رکھوا رہی تھی جب وہ دستک دے کر اندر آیا تھا۔ ایک ستائش کی نگاہ پورے کمرے میں دوڑائی۔

"سفید رنگ ویسے بھی بہت خوب صورت ہے۔"

اسے پتا تھا کہ کیسے جنت کمال کی خوشی کو غارت کرنا ہے۔ وہ اندر ہی اندر جلتی کڑھتی رہ گئی مگر زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اس کی طرف مڑی۔

"کیوں؟ مجھے معلوم نہیں تھا۔ ویسے آپ کا کمرہ بالکل سادہ ہے۔"

وہ اس کے جواب پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

پھر ہاتھ میں پکڑا ہوا کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ کارڈ لیتے ہوئے جنت نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"میرے دوست کی شادی ہے۔ ہم چلتے کر شرکت کرنے جا رہے ہیں۔"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر اشفی کو جانے کا اشارہ کر کے وہ اس کے پیچھے باہر آ گئی۔

"ہم کیوں جا رہے ہیں؟" لہجے میں دبا دبا سا غصہ تھا۔ "تم خود جاؤ۔"

"اچھا جاؤ۔ لیکن کارڈ پر مسٹر اینڈ مسز فارس لکھا ہوا ہے۔"

جنت نے دانت پیس کر اسے دیکھا۔ "لیکن میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ اور یہ ضد شام تک خود ہی ختم ہو گئی جب مسز شیرازی نے اسے اپنے پاس بٹھا کر اسے شادی اٹینڈ کرنے کے لیے رضامند کیا۔ وہ انہیں انکار نہیں کر سکی تھی۔ اور چونکہ بات فارس کے دوست کی تھی تو فارس نے پوری کرنی ہی تھی۔ اس کی شرکت ضروری تھی۔

وہ واپس کمرے میں آئی تو چہرہ اچھا خاصا پھولا ہوا تھا۔

"ویسے پیکنگ کی تو ضرورت نہیں پڑے گی؟" اشارہ اس بیگ کی طرف تھا جو وارڈ روب کے ساتھ کھڑا تھا اور جسے وہ ماہ پہلے وہ تیار کر چکی تھی۔

"مجھ سے کوئی بات مت کریں۔" ایک قہر بھری نظر اس پر ڈالی واش روم میں گھس گئی۔ وہ زیر لب مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆☆

وہ لندن پہنچے تو اس وقت صبح کے سات بج رہے تھے۔ ایئرپورٹ سے باہر گاڑی پہلے سے موجود تھی۔ انتظار میں گارڈ اور سیکرٹری بھی کھڑے تھے۔ اسے لندن کی فضا میں سردی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ گاڑی کا سفر کچھ خاموشی سے کٹا تھا البتہ فارس وقفے وقفے سے آنے والی کالز ریسیو کرتا رہا تھا۔

اس کا اپارٹمنٹ لندن کے ایک پوش ایریا کی چوتھی منزل پر تھا۔ وہ سفر سے کچھ اس حد تک تھکی ہوئی تھی کہ پہنچتے ہی سو گئی تھی۔ دوپہر میں آنکھ کھلی تو فارس موجود نہیں تھا۔ البتہ میڈ کچن میں کھانے کا انتظام کر رہی تھی۔

اس نے گھوم کر پورے گھر کا جائزہ لیا۔ لگژری اپارٹمنٹ کا بیرونی انٹیریئر سفید رنگ کا تھا۔ ہر ایک شے نفیس اور سجی ہوئی تھی۔ بے انتہا پرتعیش۔ بیڈ روم ایک ہی تھا مگر ایسا شاندار اور خوب صورت کہ وہ سراہے بنا نہ رہ سکی۔ ایک مسلمان میڈ تھی جو گھر کی دیکھ بھال اور کھانے کا انتظام سنبھالے ہوئے تھی۔ اس نے کھڑکی سے پردے ہٹا کر لندن کی فلک بوس عمارتوں کو دیکھا اور رات تک وقفے وقفے سے یہی سرگرمی دہراتی رہی۔

پہلے دن تو فارس اپنے بزنس کے معاملات میں کافی مصروف رہا۔ اور وہ بھی گھر میں رہ کے بور ہوئی۔ دوسرے دن وہ شام کو جلدی گھر آیا تھا اور تیسرے دن تو وہ گھر سے کہیں گیا ہی نہیں۔ مصروف اتنا کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں۔

میڈ نے شام کے کھانے کے لیے کچھ گروسری کا سامان لینا تھا تو اسے باہر جاتا دیکھ کر وہ خود بھی تیار ہو گئی۔ ضروری ہے کہ اب وہ لاٹ صاحب کی منت کرے کہ اب لندن لے ہی آئے ہو تو تھوڑا گھما پھرا دو۔ اور ویسے بھی وہ کون سا خوشی سے لایا تھا۔ موصوف کی مجبوری تھی۔ شادی کارڈ پر مسز اینڈ مسٹر فارس جو لکھا ہوا تھا۔ جیسے جتا کر کہا تھا اس نے۔ جیسے اگر صرف مسٹر فارس لکھا ہوتا تو وہ اکیلا ہی آتا۔

"کہیں جا رہی ہو؟"

وہ لاؤنج میں لیپ ٹاپ اور فائلز کے درمیان گھرا بیٹھا تھا جب اسے کمرے سے کوٹ مفلر اور دستانوں میں تیار شیار سا باہر نکلتا دیکھا۔

اسے فارس کا سوال بھی عجیب لگا۔ بیگ میں موبائل اور پانی کی بوتل رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "میڈ کے ساتھ مارکیٹ تک جانا چاہ رہی ہوں۔ آؤٹنگ کے لیے۔"

"اس وقت؟" فارس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ "شام کے پانچ بج رہے ہیں۔"

"کیوں اس وقت نہیں جا سکتی میں؟" اس کی آنکھوں میں بیزاری سی در آئی۔

وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔

"میں کل تک فری ہو جاؤں گا تو چلیں گے۔"

"میں نے تم سے اجازت تو نہیں مانگی۔"

"تمہیں میں منع کر رہا ہوں۔" فارس کا لہجہ ہنوز نرم تھا۔

"کس حق سے منع کر رہے ہو؟" وہ سوالیہ نشان بن گئی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اس کا انداز، اس کا لہجہ، اس کا رویہ۔ وہ کیسے کہے کہ گھر میں منع کر رہا ہے؟ جتانے کی بھی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"شاید میں نے کبھی ذکر نہیں کیا لیکن..." اسے جملہ مکمل کرنے میں کچھ وقت ہوئی۔ "تیسرے

دشمن زیادہ ہیں۔"

"تو۔۔۔" وہ یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے فارس کی بات سمجھ ہی نہ آئی ہو۔

وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا۔ "میں نہیں چاہتا کوئی تمہیں نقصان پہنچائے۔ صرف اس لیے کہ تم میری بیوی ہو۔"

اگلے کئی لمحوں تک جنت ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔

"بیوی اب ہوں؟ پانچ ماہ پہلے تک کیا تھی؟" وہ ایک سوال کاری ضرب جیسا تھا اسے لگا وہ زمین کی تہوں میں اتر گیا ہے۔

"پہلے تو تمہیں کبھی فکر نہیں ہوئی۔ کبھی روک ٹوک نہیں کی۔ گھنٹوں تمہارے آفس کے باہر اجازت کے لیے کھڑی رہتی تھی صرف اس لیے کہ تم منع کرو اور میں رک جاؤں۔ تاکہ مجھے احساس ہو تم مجھے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہو۔ مگر تم کیا کرتے تھے؟ جواب تک نہیں دیتے تھے۔ کبھی منع نہیں کیا۔ کبھی کام روکنے کو نہیں کہا۔ کبھی پروا نہیں کی۔ اور اب اچانک تمہارا خیال ہے مجھے اجازت بھی لینی چاہیے اور تمہارے منع کرنے کے بعد رک بھی جانا چاہیے اس لیے کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

اس کا لہجہ طنز میں ڈھل گیا مگر آنکھوں کی نمی، آواز کی کمزوری۔ اس کے جذبات اس کی تکلیف عیاں کر رہی تھی۔

"مجھے وہ کار ایکسیڈنٹ کے وقت تمہارے جذبات نہیں بھولتے۔ تب تم چاہتے تھے میں مر جاؤں۔ میری حادثاتی موت تمہارے بہت سے مسئلے حل کر دیتی ہے نا۔"

وہ اس کی آنکھ میں اپنے لیے شک، غصہ، بدگمانی، بے اعتباری جیسے جذبات دیکھتا بالکل خاموش کھڑا تھا۔

"اب بات بچے کی ہے تو تمہیں فکر ہو رہی ہے۔ جبکہ تم سے زیادہ فکر مجھے ہے۔" ایک ایک قدم سے دوسرے قدمے پہ آتا۔

ہمیشہ کی طرح فارس کے جذبات اس کی سمجھ سے باہر تھے مگر اس کی آنکھیں۔ فارس وجدان کی آنکھیں۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

جنت دروازے کے پاس پارکنگ کے عین سامنے وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھرنے لگی تھیں۔ چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اسے بہت رونا آ رہا تھا مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ فارس کی موجودگی کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ آنکھیں صاف کر کے اطراف میں گہری سانس کو پیچھے دھکیلا۔ سر اونچا کیے اچھی طرح سے چلتی آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

وہ سیدہ کے ساتھ ہارٹ پلس مارکیٹ میں آ گئی تھی۔

بھانت بھانت کے لوگ تھے سڑک اور مختلف دکانوں پر کافی رش تھا۔ ایک ہلچل اور شور سا بپا ہوا تھا۔ خرید و فروخت جاری تھی۔ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے وہ آگے بڑھتی رہی۔ سیدہ پر تھوڑی دیر بعد کافی موڑ کر وقت دیکھتی تھی اور بھر آتے۔ جن کے چہرے پر لب آیا خوف کا کوئی تاثر نہ تھا۔ آنکھیں جانے کب کی خشک ہو چکی تھیں۔

سیدہ کو واپس کی جلدی تھی کہ شام کے کھانے کا انتظام بھی دیکھنا تھا مگر جنت اس کی کوئی بات نہیں سن رہی تھی۔ وہ اس کی سن رہی تھی۔ چیزیں دیکھ رہی تھی۔ گھوم رہی تھی۔ اور کہیں اگر ہاتھ میں چیز اٹھا کر گھومتے ہوئے پر نظر پڑتی تو ویسے ہی رکھ دیتی تھی۔

اس قدر رش اور ماحول میں سانس لیتے سارے لوگوں کے بیچ وہ اسے ایک بار پھر شدت سے تنہائی کا احساس ہوا تھا عجیب سا دکھ تھا۔ حسرت تھی۔ غم تھا۔ اور غصہ تھا۔

دائیں طرف مڑتے ہوئے اس کی نظر کافی شاپ پر جا ٹھہری۔ گلاس وال کے اندر بے تحاشا روشنی کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ مگر اس کی تمام تر توجہ اس

بڑی ماڈل اداکو سامنے تھی جو اسے بہت خوبصورت لگا تھا۔

"میں یہ لوٹانے کرنا چاہتی ہوں۔" منیزہ سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ ہر طرح کی منفی سوچ اور خیالات کو جھٹکا، دل کو سنبھالا کہ کیا ہوا اگر وہ اکیلی ہے؟ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اپنے لمحات کو یادگار نہیں بنا سکتی؟

منیزہ کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے جیب سے نکال کر اسکرین کو دیکھا تو چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

جنت اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ اب چونکہ بیگ کے ساتھ کلاشن سے اداکو سامنے لگانے میں دقت ہو رہی تھی سو اس نے اپنا بیگ منیزہ کو تھمایا اور شروع ہو گئی۔ پہلی کوشش میں تو کام ادھورا ہی رہا، دوسری میں بھی ناکام۔ تیسری کوشش میں اداکو سامنے ہاتھ میں تھا۔ اس کی خوشی دیکھنے لائق تھی۔ منیزہ بھی دیکھتے ہوئے بدقت مسکرائی۔

"انسان کو اپنے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔ ضروری ہے کوئی ساتھ ہو تب ہی آپ ہنسیں گے، مسکرائیں گے۔"

اس نے دل ہی دل میں خود کو شاباش دی، پھر کھلونا منیزہ کے حوالے کر کے دوسرے اسٹال سے کچھ چیزیں دیکھنے لگی۔ اسے آئسکریم کے لیے ایک آئینہ پسند آیا۔ اور تب ہی وہ ادائیگی کرنے کے لیے مڑی اور اپنی جگہ جم گئی۔

منیزہ وہاں کہیں نہیں تھی۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں گھوم کر چاروں طرف دیکھا۔ آس پاس بہت دور تک دیکھا مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی۔

جنت کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، سانسیں پھولنے لگیں۔ عجلت میں قدم اٹھاتی وہ آگے بڑھی۔ دائیں طرف، پھر بائیں طرف۔ اس کے بعد تک کی سیدھ میں قدم اٹھاتی گئی۔

وہ بھٹک گئی تھی... کھو گئی تھی۔ اتنے بڑے شہر میں یہ کیسے ہو گیا تھا۔ اتنے سارے لوگوں کے ہجوم میں۔ ایک بار پھر وہ اکیلی ہو گئی تھی۔

سورج مکمل غروب ہو چکا تھا۔ بھٹکوں آسمان رنگ بدل رہا تھا۔ اسٹریٹ لائٹس کی روشنیاں چہار سو نظر آ رہی تھیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کیا کرے؟

کہاں جائے؟ کارڈ کا نمبر اسے یاد نہیں تھا۔ موبائل بھی پاس نہیں تھا۔ اپنا بیگ منیزہ کے حوالے کرنے پر وہ پچھتا رہی تھی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟

سڑک کنارے کے ارد گرد بیٹھتے ہوئے دکانوں میں ہاتھوں کو منہ پر رکھا۔ جب وہ کھڑی ہو گئی۔ آتے جاتے لوگوں کو وہ خوف اور گھبراہٹ سے تکتی رہی۔

سامنے ہی ایک ہوٹل سے نکلے میں دو لڑکے کھڑے تھے، بار بار مڑ کر اس کی طرف دیکھتا تو اندر تک لرز گئی۔

آنکھوں کا خوف عیاں تھا۔ جب ہی نظروں میں آ رہی تھی۔ ایک بار پھر قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وہ تلاش میں گھومتی رہی۔ نہ پیسے تھے، نہ گھر کا ایڈریس معلوم تھا۔ اور نہ کسی سے جان پہچان۔

وہ ایک سنسان گلی میں کھڑی ہو گئی۔

وہ منیزہ نارمل ہو گئی تھی۔ یقیناً پتہ کا علم ہو گا۔ یقیناً اس نے ہی سزا کے لیے یہ حرکت کی ہوگی۔ وہ اس کی غلطیاں نظرانداز نہیں کرتا تھا۔ وہ بدلے لیتا تھا۔ وہ سزا دینے والوں میں سے تھا۔ رونے لگی، اپنا سر گھٹنوں پر رکھا۔ وجود سردی کی شدت سے کپکپا رہا تھا۔

وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ کیسے؟ وہ بھی تب جب وہ اس حالت میں ہے؟

باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ